عمران خان



غیرت مند مسلمان

www.facebook.com/PK322

مصنف عمران خان نے

جملہ حقوق بحق شوکت خانم میموریل ٹرسٹ منتقل کردیئے ہیں۔
ٹرسٹ کی اجازت کے بغیر یہ کتاب یا اس کا کوئی بھی حصہ نقل نہیں کیا جاسکتا۔

اہتمام : عنصر جاوید

پہلی بار	:	ستمبر1995ء
تعداد	:	پانچ ہزار
قیمت	:	تین سو روپے
انگریزی سے ترجمہ	:	سعدیہ وحید خان
پروف ریڈنگ	:	شجاعت علی خان
کمپوزنگ	:	احمد گرافکس' لاہور
پرنٹر	:	امیج گرافکس' کراچی' فون : 2623848

صیرو انڈسٹریز اپنے مشن کے تحت اس کتاب کی اشاعت پر مسرت کا اظہار کرتے ہیں کہ یہ کتاب ملکی تشخص اور نوجوان نسل میں حب الوطنی جیسے جذبوں کو بیدار کرنے میں راہ نمائی کرسکتی ہے۔
یہ کتاب اپنے پورے مواد کے ساتھ ایک قومی ورثہ ہے' جس میں مسلمانوں اور پٹھانوں کی تہذیب و ثقافت اور تاریخ پر جس خوبصورت اور موثر انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے' وہ یقیناً قارئین کے لئے مشعل راہ ہوگی۔

تقسیم کار جنگ پبلشرز 13 سر آغا خان روڈ....لاہور

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



عنوانات	صفحہ نمبر
تعارف	۱
پٹھان تاریخ و ثقافت	۱۵
جنوبی قبائلی پٹی	۴۷
وسطی اور قبائلی علاقہ جات	۸۳
پاویندے	۱۱۱
پٹھان خواتین	۱۲۷
مستقبل کی راہ	۱۴۵
علامہ اقبالؒ اور ملت اسلامیہ	۱۵۳
علامہ سید جمال الدین افغانی	۱۶۰
تشکرات	۱۶۲

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

تعارف



گُریزد از صفِ ما ہرکہ مردِ غوغانیست
کسے کہ کُشتہ نہ شُد از قبیلۂ مانیست

میرے آباء و اجداد پٹھان تھے جن کا تعلّق افغانستان کی سرحد کے ساتھ، پاکستان کے شمال مغربی سرحدی صوبے کے اس الگ تھلگ اور بنجر علاقے سے تھا جسے قبائلی علاقہ جات کہا جاتا ہے۔ اگرچہ میرے والدین اور خاندان کے بزرگوں نے مجھے پٹھان ہونے میں فخر کے احساس سے رُوشناس کرایا، مَیں کچھ عرصہ پہلے، اپنے عم زاد سہیل خان کے ہمراہ ان قبائلی علاقوں میں جانے سے پہلے کبھی وہاں نہیں گیا تھا۔ ان قبائلی علاقہ جات میں داخل ہونے سے پہلے حکومت پاکستان سے خصوصی اجازت حاصل کرنا ہوتی ہے۔ بہت کم لوگوں کو یہ اجازت ملتی ہے، کیونکہ اس صورت میں حکومت کو اس شخص کے تحفّظ کے لئے ایک مسلّح دستے کو اس کے ہمراہ کرنا پڑتا ہے۔ ابتداء میں، مَیں اس علاقے میں جانے میں بالکل دلچسپی نہیں رکھتا تھا، میرے ذہن میں خیال تھا کہ ایک تو متعلقہ اجازت کے حصول میں کافی مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا، علاقہ زیادہ

صفحہ اول کے سامنے۔ مغرور اور حریت پسند، پٹھان دنیا کی جنگجو ترین قوموں میں سے ایک ہیں۔

صفحہ اول: یہاں، کافی گورام میں، میری والدہ کے قبیلے، برکی، کے لوگوں نے مجھے نشانہ بازی کا چیلنج دیا۔ دائیں طرف، سیاہ بالوں اور سیاہ قمیض والا، میرا عم زاد سہیل خان، جس نے مجھے اس علاقے میں آنے کی دعوت دی اور یہ سفر اس کتاب کو لکھنے کا باعث بنا۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



تر بنجر اور سنگلاخ ہو گا' آب و ہوا سردیوں میں منجمد کر دینے والی اور گرمیوں میں شدید گرم ہو گی اور یہاں کے لوگ غیر مہذّب اور معاندانہ فطرت کے حامل ہوں گے۔ خوش قسمتی سے' سہیل نے مجھے اس جانب راغب کیا کہ ہمیں اپنے آباء و اجداد کے علاقے کو دیکھنا چاہئے۔ چنانچہ تقریباً پندرہ مسلّح آدمیوں کے دستے کی معیت میں' ہم کانی گورام روانہ ہوئے' جہاں میری والدہ کے قبیلے کا کچھ حصہ اب بھی آباد ہے (میرے والد کے قبیلے کی طرح صدیوں پیشتر ان کے قبیلے کی ایک شاخ بھی' پنجاب کے سرسبز میدانی علاقوں کی طرف نقل کر گئی تھی) کانی گورام جنوبی وزیرستان کا سب سے بڑا شہر ہے۔ یہ قبائلی علاقہ جات کے سب سے زیادہ سنگلاخ اور بنجر علاقوں میں سے ایک ہے۔

یہاں کے بارے میں مَیں نے جو کچھ سنا یا پڑھا تھا' اس کا موازنہ اس تجربہ سے نہیں کیا جا سکتا' جو میں نے یہاں خود آ کر محسوس کیا۔ یہ میرے تصوّر سے کہیں زیادہ بنجر علاقہ تھا۔ نہ صرف یہ کہ انتہائی عجیب و غریب اور ویران پہاڑی سلسلے پر مشتمل یہ خِطّہ ناقابلِ یقین حد تک ناموافق تھا' بلکہ لوگ میری دیکھی ہوئی ہالی وڈ کی فلموں میں دکھائے گئے جنگجُو مغرب کے لوگوں سے زیادہ وحشی دکھائی دیتے تھے۔ پستول سے مسلّح رہنے والے کاؤ بوائز کے برعکس' یہاں ہر شخص ایک رائفل لگائے پھر رہا تھا۔ ان کے چہرے کسی بھی فلمی کاؤ بوائے سے زیادہ کھُردرے تھے' ------ ایسے علاقے میں جہاں محض زندہ رہنا سخت دشوار ہو' صرف سخت کوش لوگ ہی اپنا وجود قائم رکھ سکتے ہیں۔ سخت آب و ہوا

اوپر۔ قبائلی علاقہ جات میں میرے سفر کا مرکز' جنوبی وزیرستان میں کانی گورام کا علاقہ تھا۔ کسی بھی شخص' جسے اس قصبے میں داخل ہونا ہو' کو یہ پل عبور کرنا پڑتا ہے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



اور طرزِ زندگی نے یہاں ہر شخص کو جنگجو بنا دیا ہے۔

یہاں سے ناواقف لوگوں کے لئے قبائلی علاقہ جات ایسے خطّے میں ہیں جہاں پاکستان کے قانون کا کوئی عمل دخل نہیں' اور جہاں ایسے خطرناک اور وحشی لوگ بستے ہیں جن کا گذارا لُوٹ مار اور قتل و غارت پر ہوتا ہے۔ لیکن حقیقت میں' مَیں نے اس کے بالکل برعکس پایا۔ دنیا کی اس جنگجو ترین قوموں میں شمار ہونے والی اس قوم میں غیر متوقع طور پر پائی جانے والی میزبانی اور نرمی سے میں بہت متاثر ہوا۔ جس کا زیادہ تر انحصار ان کی اپنی اقدار کے نظام پر تھا' بہت سے پہلوؤں سے وہ کہیں زیادہ مہذّب تھے۔ یہ میرے دیکھے ہوئے کئی معاشروں سے کہیں زیادہ مہذّب سماج ہے۔

یہاں تک رسائی مشکل ہونے کے باعث' محکمۂ سیاحت نے ان علاقوں پر زیادہ توجہ نہیں دی' سڑکوں کے علاوہ پاکستانی قوانین کا یہاں اطلاق نہیں ہوتا یہ ایک نیم خود مختار علاقہ ہے۔ یہاں قبائلی قوانین مؤثّر ہوتے ہیں اور پٹھان آج بھی اسی طرح رہتے ہیں جس طرح وہ صدیوں سے رہتے آئے ہیں۔ اگرچہ جدید ذرائع مواصلات' خاص طور پر ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی وجہ سے' پچھلے عشرے سے یہاں کچھ تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ مگر پھر بھی قبائل نے اپنے قوانین اور روایات کو مکمل طور پر اسلام کے مطابق محفوظ رکھا ہوا ہے۔

ان کے شاندار نظامِ حیات اور اقدار کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے میں نے یہ کتاب لکھنے کا فیصلہ کیا۔ یہ بات کتنی حیران کُن ہے

****

میرے لئے قبائلی علاقہ جات میں کشش کا باعث یہ امر تھا کہ یہاں رہنے والے پٹھانوں نے صدیوں سے اپنے طرزِ حیات کو برقرار رکھا ہوا ہے۔ اس لڑکے نے اپنے ہاتھ میں گھاس کاٹنے والا کھرپا پکڑا ہوا ہے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

کہ اس مادیت پسند زمانے میں اب بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو ایسے نظام میں زندگی گذار سکتے ہیں جس کی بنیاد عزّتِ نفس پر ہو- میں یہ سمجھتا ہوں کہ قبائلی علاقہ جات کے پٹھانوں کے پس منظر میں فخر کا جو پہلو ہے' اور جس طرح انہوں نے اپنی روایات اور رسوم کو محفوظ رکھا ہے' اس سے پاکستان بہت کچھ سیکھ سکتا ہے- انہوں نے صدیوں سے اپنے جمہوری نظام کو برقرار رکھا ہوا ہے' اور ہر فرد چاہے وہ مادی طور پر کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو' خود کو کسی بھی دوسرے شخص کے ہم پلّہ سمجھتا ہے

میرے خیال میں ان منفرد لوگوں پر ایک کتاب تیار کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ایک فوٹوگرافر کو ساتھ لیا جائے اور سات انتظامی علاقوں یا ایجنسیوں میں منقسم اس پوری قبائلی پٹّی پر سفر کیا جائے- راستے میں' ہر قصبے کے بزرگوں سے مل کر معلوم کیا جائے کہ ان کی زندگیوں میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کے بارے میں ان کے کیا خیالات ہیں- ابھی بہت سے ایسے قبائلی بزرگ موجود ہیں جنہوں نے انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا اور اس سے بھی زیادہ تعداد ایسے لوگوں کی موجود ہے جو ۱۹۴۷ء میں کشمیر کی آزادی کے لئے لڑے تھے-

میں نے انتہائی جنوب میں واقع ایجنسی' "جنوبی وزیرستان" سے اپنے سفر کا آغاز کیا- یہاں سے میں نے شمالی وزیرستان' کُرّم' اورک زئی' خیبر- آفریدیوں کے علاقے اور مہمند سے ہوتے ہوئے انتہائی شمال میں واقع باجوڑ میں اپنے سفر کا اختتام کیا- ہر سفر کا انتظام ہم نے ہر ایجنسی کے **پولیٹیکل** ایجنٹ کی وساطت سے کیا اور ایک (حکومت پاکستان کا نمائندہ) مسلح دستہ ہمارے ہمراہ ہوتا تھا- یہ دستہ خاصداروں **پولیٹیکل** ایجنٹ کے محافظ' جو اس **پولیٹیکل** ایجنٹ سے متعلقہ قبائل اسے فراہم کرتے ہیں) اور سکاؤٹس (خصوصی طور پر تربیت یافتہ پولیس جو صرف قبائلی علاقہ جات میں کام کرتی ہے) پر مشتمل ہوتا تھا-

سارے علاقے کا مطالعہ کرنے کے لئے' ہمیں ایک سال کے عرصے میں کئی مُہمّات کرنا پڑیں- میں لاہور میں کینسر ہسپتال کے لئے فنڈز اکٹھا کرنے' اور ۱۹۹۲ء کے ورلڈ کپ کرکٹ کی تیاریوں میں اتنا مصروف تھا کہ میرے لئے یہ سارا سفر ایک ہی بار کرنا ممکن نہ تھا- چنانچہ میرے پاس جب بھی کچھ دن فارغ بچتے' ہم اُسی مقام سے سفر دوبارہ شروع کر دیتے جہاں سے ہم نے اپنا سلسلہ منقطع کیا ہوتا- فوٹوگرافر پرویز خان اور سکاؤٹس اور خاصداروں کی مخصوص تعداد ہر سفر پر میرے ہمراہ رہتی- کئی بار سہیل اور میرا کرکٹ کا دوست ذاکر خان' بھی میرے ساتھ اس سفر پر آتا- (اگرچہ پرویز اور ذاکر کے ناموں کے ساتھ خاں آتا ہے' مگر ان کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں- اس لفظ کا مطلب سردار یا زمیندار ہے اور پٹھانوں میں سب سے زیادہ مستعمل عُرفیت ہے)- اسلام آباد میں مقیم ایک اور دوست' دوست محمد جس کا تعلق محسود قبیلے سے ہے' وہ بھی ایک بار میرے ہمراہ سفر پر گیا-

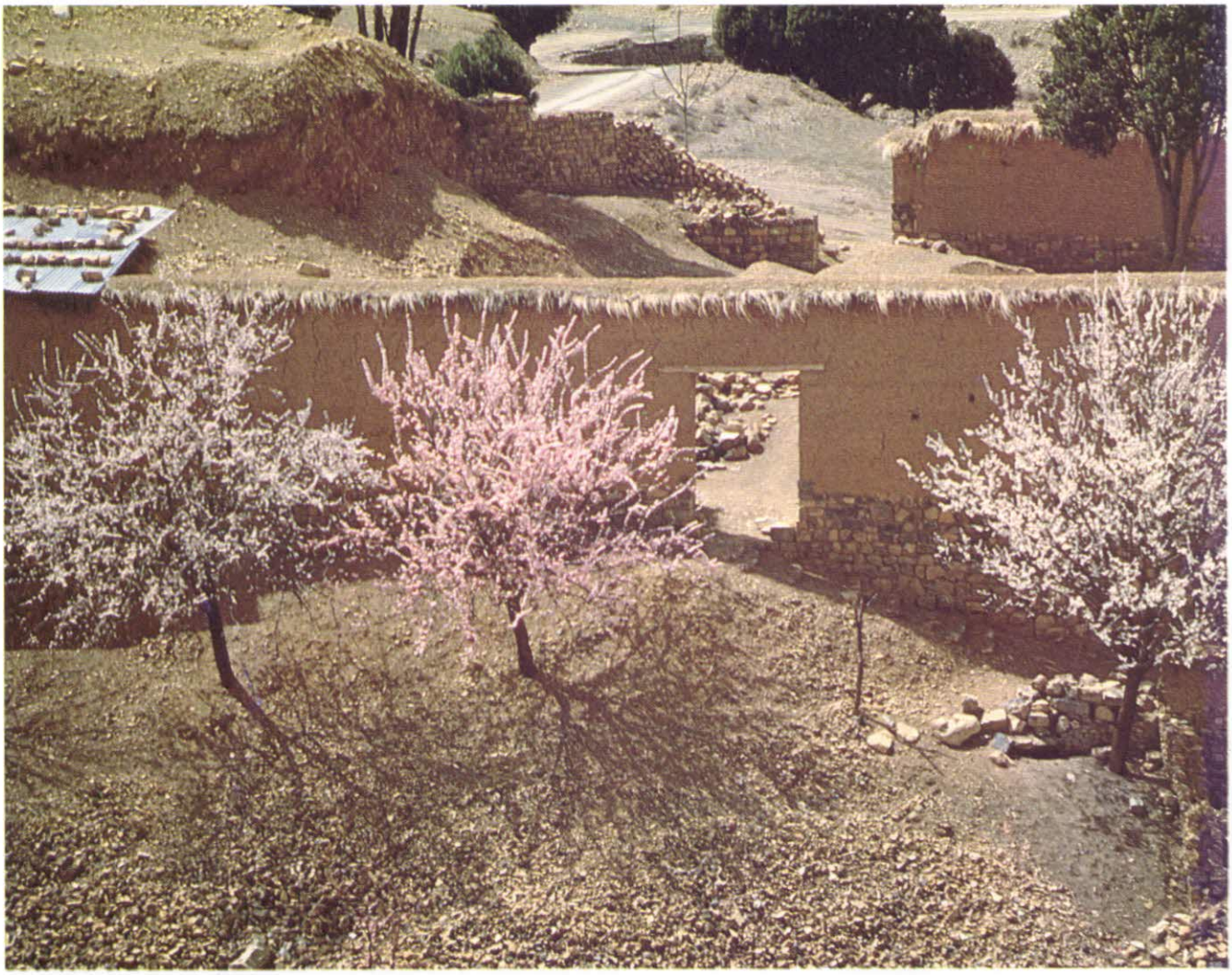
جب ہم نے شمال کی طرف اپنا سفر شروع کیا' تو مناظر' قصبات' اور کسی حد تک لوگوں کے خدّوخال میں تبدیلی آنا شروع ہو گئی- وزیرستان بنجر اور کٹھن علاقہ تھا: کم بلندی پر واقع علاقے خاص طور پر بے آباد اور سنگلاخ تھے' جبکہ کافی گورام کی طرح بلندی پر واقع علاقے' اتنے خشک نہیں تھے- مزید شمال کی جانب' علاقہ دوسرے علاقوں کی نسبتاً سرسبز تھا' اور کچھ وادیاں بہت زرخیز تھیں- قبائلی پٹّی کے شمالی بلند علاقے نہایت قابلِ دید تھے-

مضافات کا علاقہ دُور دُور بکھرے ہوئے قصبات اور چھوٹے چھوٹے دیہات پر مشتمل تھا- ہر ایک میں کسی قبیلہ کی ذیلی شاخ یا خیل کے لوگ آباد ہوتے- اکثر گھر مٹی گارے کے بنے ہوئے تھے- وزیرستان میں' ہر گھر کسی قلعے کی طرح تھا' جس میں ایسے مینار بنے ہوتے جہاں بندوق بردار بآسانی اپنی پوزیشن سنبھال سکتے- تاہم کُرّم ایجنسی چونکہ برسہا برس سے نسبتاً پُرسکون رہی ہے اس لئے یہاں بندوق برداروں کے مینار نظر نہیں آتے- یہاں تک کہ کچھ گھروں میں برآمدے بھی بنے ہوئے تھے- ہمیں پتہ چلا کہ بجلی ابھی کچھ عرصہ قبل ہی قبائلی علاقہ جات میں پہنچی ہے اور صرف ان قصبات میں جو سڑک کے ساتھ ساتھ ہیں- سڑکیں یہاں افغان جنگ کے نتیجے میں تعمیر ہوئی

****

سامنے- اوپر- میرے حفاظتی دستے میں آٹھ سے دس سکاؤٹ (قبائلی علاقہ جات کیلئے خاص طور پر تربیت یافتہ پولیس) شامل تھے-
نیچے- میرے محافظوں میں سکاؤٹس کے علاوہ آٹھ خاصدار بھی شامل تھے- خاصدار وہ مسلح آدمی ہوتے ہیں جنہیں قبائل اپنے پولیٹیکل ایجنٹ کی حفاظت کے لئے مہیا کرتے ہیں-

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



ہیں چنانچہ ٹیلی ویژن اگرچہ یہاں کافی اثر انداز ہوا ہے' پھر بھی اس کا اثر کم دوردراز علاقوں تک ہی محدود ہے۔

جسمانی اعتبار سے' پٹھانوں کی مماثلت برصغیر کے لوگوں کی نسبت وسط ایشیا کے لوگوں سے زیادہ ہے۔ عمدہ عقابی خدّوخال' اُبھری ہوئی رخسار کی ہڈیاں' اور بھُوری جلد' پٹھانوں کے افغانستان اور ترکی سے تعلق کی عکّاس ہے۔ جنوبی وزیرستان میں محسود' درمیانے قد کے' دبلے پتلے اور پھرتیلے بدن کے لوگ ہیں جبکہ شمالی وزیرستان میں لوگ دراز قد مگر بظاہر کم پھرتیلے دکھائی دیتے ہیں۔ ہر ایک کے سیاہ بال اور بھوری آنکھیں ہیں مگر شمالی ایجنسیوں کے قبائلی نسبتاً زیادہ صاف رنگ کے حامل ہوتے ہیں۔ سارے علاقے میں اپنے سفر کے دوران ہم اکثر ایسے پٹھانوں سے بھی ملے جن کی آنکھیں نیلی یا سبز تھیں' اکثر قبائلی بزرگ اپنی خاکستری داڑھیوں کو مہندی سے رنگتے ہیں دوردراز علاقوں میں ہر کوئی اپنی روایتی پگڑی پہنتا ہے جبکہ نسبتاً قریبی علاقوں میں سر کو ڈھکنے کے دیگر انداز بھی مروّج ہیں اور وہ بھی پگڑی کے ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں۔ قبائلی علاقہ جات کی عورتیں جن کی اکثریت سُنّی مسلمانوں پر مشتمل ہے' زیادہ تر علاقوں میں بھڑکدار' خصوصاً سرخ رنگ کے لباس پہنتی ہیں۔ (تاہم' کچھ قبائل میں خصوصاً اورکزئی' مہمند اور بعض اوقات آفریدیوں میں جب عورت چالیس برس کی عمر تک پہنچتی ہے وہ اپنے

اوپر۔ جنوبی وزیرستان کے بنجر علاقے میں پھلوں کے درخت

قبائلی علاقہ جات کے گاؤں اور قصبے ویسے ہی ہیں جیسے وہ صدیوں قبل ہوتے تھے۔ یہ بازار اس قصبے میں تھا جو کرم میں درہ تری مینگل کے آغاز پر واقع ہے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



بھڑک دار کپڑوں والے لباس کی بجائے گہرے اور کالے رنگوں والے لباس کو ترجیح دینا شروع کر دیتی ہے۔ پاوندہ عورتوں کا لباس ان سے بھی زیادہ رنگین ہوتا ہے جبکہ شیعہ مسلمان عورتیں، جو زیادہ تر وادی کُرّم اور اورک زئی تراہ میں بستی ہیں، سیاہ لباس پہنتی ہیں۔ کوئی بھی پٹھان عورت فوٹو کھنچوانے پر تیار نہیں تھی۔

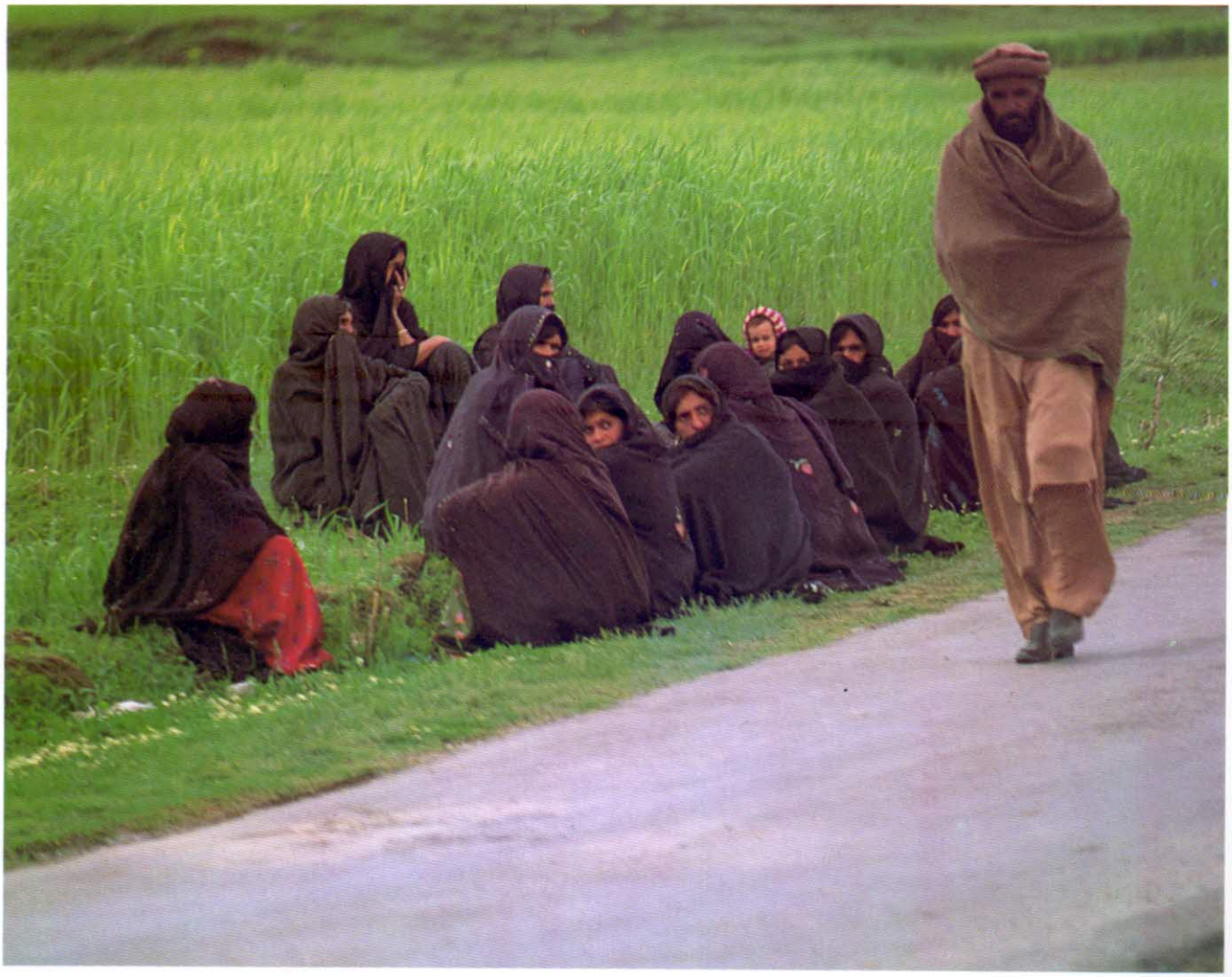
جب مجھے پٹھانوں کے کردار کے بارے میں جانکاری حاصل ہوئی، میں نے اس میں کئی ایسے پہلو پائے جو خود میرے اندر موجود تھے۔ خصوصاً پیدائشی مقابلہ پسندی اور وہ عزم کہ کبھی کسی سے خوف مت کھاؤ۔

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جُنبش سے
جسے ہو زُعم وہ آئے کرے شکار مجھے

کرکٹ میں اکثر، نوجوان ذہین بلّے باز محض اس لئے اپنا درجہ بہتر نہیں کر پاتے کیونکہ وہ تیز باؤلنگ سے اور گیند کے خود کو لگنے سے خوفزدہ رہتے ہیں۔ مگر میرے عم زادوں میں کسی کے لئے بھی یہ بات ناقابلِ تصوّر تھی، کہ وہ خوف کا مظاہرہ کرتے، کیونکہ ایسا کرنے سے ہم ایک دوسرے کی نظروں میں گر سکتے تھے۔ میرے دو بڑے کزن، جن دونوں نے پاکستانی ٹیم کی قیادت کی، اپنے حوصلے کی بنا پر جانے جاتے تھے۔ میرے پاس ایک تیز باؤلر کا مثالی مزاج تھا، کیونکہ میں کئی بلّے

شمالی وزیرستان میں دریائے ٹوچی کے کنارے پر ایک قصبہ، قلعہ بند گھر، خونی جھگڑوں کی کثرت کی وجہ سے حفاظت کی ضرورت کے غماز ہیں۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



بازوں کی جارحیّت سے نفرت کرتا تھا' یہ تیز باؤلنگ سے دوبارہ حملے کرنے کی خواہش ہوتی تھی جس کی وجہ سے میں اپنے ملک کا پہلا حقیقی معنوں میں تیز باؤلر بننے میں کامیاب ہُوا۔ کسی بھی طرح کی ہتک کا بدلہ چکانا پٹھان کردار کی نمایاں خصوصیت ہے۔

کتاب کے لئے تحقیق کرنا خوشی کا باعث تھا کیونکہ اس سے نہ صرف یہ کہ مجھے اپنی جڑوں کی طرف واپسی کا موقع ملا' بلکہ اس لئے بھی کہ اس سے مجھے ایسے لوگوں کی نسل سے ملنے کا بھی موقع ملا جو غیر معمولی طور پر اعلیٰ و ارفع اقدار کی حامل تھی،مثلاً ایک موقع پر' میں ایک بوڑھے پاوِیندہ (خانہ بدوش قبائلی) سے ملا' جو اپنے خاندان کے ساتھ بہار کے آغاز میں بالائی علاقوں کی طرف اپنا واپسی کا سفر طے کر رہا تھا' میں نے پوچھا کہ کیا میں اس سے کُتّے کے اس پلّہ کو خرید سکتا ہوں جس کو اس نے اپنے اونٹ پر باندھ رکھا ہے۔ (پاوِیندوں کے کُتّے اپنی ذہانت اور قوّت کی وجہ سے مشہور ہیں' اور وہ بہترین نگرانی کا کام سرانجام دیتے ہیں) اس نے کہا کہ یہ فروخت کے لئے نہیں ہے۔ اس خاندان نے' ظاہر ہے کافی دیر سے کچھ نہیں کھایا تھا' اور ایک طویل سفر طے کر کے آ رہا تھا' چنانچہ میں نے اس پِلّے کو خریدنے کے لئے اسے ہزار روپے کا نوٹ پیش کیا۔ مگر اس نے اس کی وضاحت کی کہ وہ اس کُتّے کو فروخت نہیں کرے گا کیونکہ اس نے راستے میں کسی سے اس کا وعدہ کر لیا ہے۔

****

اورک زئی تراہ میں' اپنے روایتی سیاہ لباس میں ملبوس شیعہ عورتیں۔ دیکھیں کہ' کس طرح ان کے احترام میں یہ آدمی نظر بچا کر چل رہا ہے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

چاہے اس کا یہی مطلب کیوں نہ ہو کہ اس نے یہ کُتّا کسی برائے نام قیمت پر ہی فروخت کر دیا ہو' وہ میری خطیر رقم کی پیشکش کو خاطر میں نہیں لائے گا کیونکہ اس طرح وہ اپنا وعدہ توڑنے کا مرتکب ہو گا جو اس کے لئے ناقابلِ تصوّر تھا۔ میں اس کی اصول پسندی سے اس قدر متاثر ہوا' کہ میں نے بہرطور اسے یہ رقم دینے کا فیصلہ کر لیا۔ جب اس نے مجھ سے پوچھا کہ وہ مجھے یہ رقم کیوں دے رہا ہے تو میں نے اسے بتایا کہ کیونکہ وہ غریب ہے اور یہ رقم اس کے استعمال میں آ سکتی ہے۔ اس نے مجھ پر ایک خشک نگاہ ڈالی اور مجھے کہا کہ وہ غریب نہیں ہے اور پھر آگے چل پڑا۔ میں پریشان مگر اس کی مدحت سے پُر کھڑا اسے دیکھتا رہ گیا۔ بعد ازاں قبائلی علاقہ جات میں اپنے سفر کے دوران' میں نے یہ دریافت کیا کہ یہ روّیہ یہاں انوکھی بات نہیں ہے' بلکہ یہاں کا یہی دستور ہے' یہ پٹھان کا اپنی خودداری کا احساس ہی ہے جس سے اس کا باوقار روّیہ جنم لیتا ہے' اور ایک بے پناہ آزادی پسند رُوح ہے جس کی وجہ سے کوئی مفلس ترین شخص بھی کسی بادشاہ کی طرح چل سکتا ہے۔

نہ پوچھ اِن خرقہ پوشوں کی' ارادت ہو تو دیکھ ان کو
یدِ بَیضا لیے پھرتے ہیں اپنی آستینوں میں

سامنے۔ پوندوں (قبائلی پٹھان) کے نزدیک ان کے کتے بہت اہم ہوتے ہیں اور وہ ان کی بے پناہ حفاظت کرتے ہیں۔ میں نے جب ایک کتا خریدنا چاہا' تو مجھے علم ہوا کہ وہ انہیں نہیں بیچتے۔ تاہم' کبھی کبھار' وہ ایک خصوصی تحفے کے طور پر انہیں دے سکتے ہیں۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

13

باب اوّل

پٹھان: تاریخ و ثقافت



وُہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہے بے داغ، ضرب ہے کاری

اس کے باوجود کہ پٹھانوں کا شمار دنیا کی جنگجو ترین اقوام میں ہوتا ہے۔ جرگہ سسٹم جس پر ان کے سماج کی بنیاد ہے، انسانی تاریخ کے قدیم ترین جمہوری نظاموں میں سے ایک ہے۔ پٹھان نفسیات کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے کہ ان کے قبائل کی منفرد تاریخ اور ثقافت کو سمجھا جائے۔ اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ صدیوں سے، پٹھان، حملہ آوری، لُوٹ مار اور اغوا سے گزارا کرتے رہے ہیں۔ مگر جب میں قبائلی علاقہ جات میں داخل ہوا، تبھی مجھے اندازہ ہوا کہ ان لوگوں کو یہ طرزِ حیات کیوں اختیار کرنا پڑا۔ کوہستانی علاقے میں مشکل ہی سے کوئی شے اگتی ہے، اور جو کچھ بھی یہاں پیدا ہوتا ہے وہ اس علاقے کی آبادی کے گزارے کے لئے کافی نہیں ہوتا ہے۔ یقیناً کچھ علاقے ایسے ہیں جہاں زندگی باقی علاقوں کی نسبت زیادہ آسان ہے، اور اسی اعتبار سے وہاں لاقانونیت کا سلسلہ بھی نسبتاً کم ہے، مگر مجموعی طور پر اور خصوصاً

افغانستان کو ہندوستان سے علیحدہ کرنے والی ڈیورنڈ لائن پٹھانوں کے وطن سے گزرتی ہے۔ یہ پٹھان افغانستان سے آیا ہے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

وزیرستان میں زندگی بہت کٹھن ہے۔ اکثر اوقات یہاں مردوں کو دو میں سے ایک راستے کا انتخاب کرنا پڑتا ہے' یا تو وہ اپنے بیوی بچوں کو بھوکا مرتے دیکھیں' یا زیریں علاقوں میں جا کر' حملہ کر کے یا کسی کو اغوا کر کے ان کا پیٹ پالنے کا بندوبست کریں۔ لہٰذا اکثر اوقات انہیں مفلسی کی ذِلّت اور کسمپرسی کی بجائے قہر خداوندی کا نشانہ بننے کو ترجیح دینا پڑتا تھا۔ ایک اور مروّج حکمتِ عملی یہ ہوتی تھی کہ وسطِ ایشیا سے ہندوستان جانے والے تجارتی قافلوں کو لُوٹ لیا جائے' درحقیقت یہ محصول چونگی کے نظام کی ہی ایک شکل تھی۔

ایسی خوددار قوم کے لوگوں کی فطرت میں یہ بات شامل نہیں کہ وہ بھیک مانگ کر اپنا گزارا کریں۔ جس کے نتیجے میں لُوٹ مار اور اغوا یہاں گزر اوقات کے ذرائع کا درجہ اختیار کر گئے' یہ سلسلہ آزادی تک جاری رہا' قبائلی پٹھانوں نے حملہ آوری کو کبھی کوئی جُرم نہیں سمجھا۔۔۔ ان کے نزدیک جتنا زیادہ خطرات سے کھیل کر کوئی حملہ آور ہوتا' اتنا ہی وہ نوجوان بہادر ہوتا۔ آباد علاقوں کو برطانوی ہند کا حصہ سمجھا جاتا تھا' اور یوں حملہ آوری سے ایک تیر سے دو شکار کرنا مقصود ہوتا۔۔۔ سلطنتِ برطانیہ سے نبرد آزمائی اور مالِ غنیمت کا حصول' جنگِ میں حملہ اور لوٹ مار ان کی فطرت میں نقش رہا ہے۔ اب بھی قبائلی پٹھان کے نزدیک چھوٹی موٹی آسان اٹھائی گیری کی ترغیب کے لئے مزاحمت کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔

دنیا میں ٹھکانے دو ہی تو ہیں آزاد منش انسانوں کے یا تختہ جگہ آزادی کی یا تخت مُقام آزادی کا

اسی لئے یہ بات اتنی حیران کُن نہیں لگتی کہ "آج بھی حکومت' کسی غیر پٹھان اور خاص طور پر غیر ملکیوں کو قبائلی علاقہ جات میں جانے کی اجازت دینے سے انتہائی گریزاں رہتی ہے۔ جب میں وہاں گیا' تو تقریباً پندرہ سے بیس مسلّح آدمیوں کا ایک حفاظتی دستہ میرے ہمراہ تھا۔

پٹھانوں کا وطن

سخت کوش اور جنگجو قبائل سے آباد' شمال مغربی سرحد کے طور پر مشہور اس علاقے نے' ہمیشہ برّصغیر کی مغربی سرحدوں کی حفاظت کی ہے' تقریباً ڈھائی ہزار سال پہلے یونانی مؤرّخ' ہیروڈوٹس نے پٹھانوں کے بارے میں لکھا تھا کہ وہ کھال کے بنے زرغل پہنتے تھے اور اپنے علاقے کی کمان اور خنجر اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے۔ تقریباً ایک صدی بعد سکندر اعظم' جس نے سوات میں چار جنگیں لڑیں' نے بھی پٹھانوں کی شدید حریّت پسندی کا ذکر کیا تھا۔

کوہستانی' بنجر علاقہ' جو اب افغانستان کا جنوب مشرقی اور پاکستان کا شمال مغربی علاقہ ہے' قدیم زمانے سے پٹھانوں کا وطن رہا ہے۔ ۱۸۹۳ء میں پٹھان علاقے کو عین درمیان سے کاٹتے ہوئے' انگریزوں نے افغانستان کو ہندوستان سے علیحدہ کرنے کے لئے ڈیورنڈ لائن کھینچی۔ مشرقی سرحد کی طرف واقع علاقہ ۱۹۰۱ء تک پنجاب کا حصہ تھا' جب لارڈ کرزن نے اس میں سے شمال مغربی سرحدی صوبہ تشکیل دیا۔ شمال مغربی سرحدی صوبے کو اس وقت قبائلی علاقہ جات اور آباد علاقہ جات میں تقسیم کیا گیا۔ ۱۹۴۷ء میں شمال مغربی سرحدی صوبے نے نوزائیدہ مملکت پاکستان کے ساتھ الحاق کے حق میں رائے دی۔

نسلی اعتبار سے' افغانستان میں پٹھان' اب بھی سب سے زیادہ اکثریت میں ہیں۔ اور اس ملک کے جنوبی علاقوں کی تقریباً تمام آبادی پٹھانوں پر مشتمل ہے' پاکستان میں سلسلہ کوہ سلیمان اور دریائے سندھ کے درمیان بسنے والی آبادی کی اکثریت پٹھان ہے۔

اس بارے میں بہت کم حقائق معلوم ہیں کہ پٹھانوں نے کب مذہب اسلام اختیار کیا اور ان کے قبائل کب ان موجودہ علاقوں میں آ کر آباد ہوئے۔ میرے والد کا' نیازی قبیلہ' اپنا سلسلہ ہزار سال قبل' ابراہیم لودھی کے دوسرے بیٹے نیاز خان سے جوڑتا ہے۔ ابراہیم لودھی' افغانستان میں غور کے بادشاہ' شاہ حسین کا بیٹا تھا۔ تیرھویں صدی میں نسبتاً بڑے غلزئی قبیلے نے' غزنی کے قریب سے نیازیوں کو باہر دھکیل دیا۔ وہ دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر' ٹونک سے بنّوں تک کے علاقے میں جا کر آباد ہو گئے۔ اس زمانے میں' میری والدہ کے قبیلے برکی' کی اکثریت وزیرستان کے علاقے میں آباد تھی۔ یہ لوگ دو صدیاں پیشتر' افغانستان سے یہاں آ چکے تھے۔

****

قبائلی علاقہ جات کے اکثر بنجر علاقوں میں بہت کم اگتا ہے۔ نتیجتاً" یہ غیور اور آزاد منش لوگ' زندہ رہنے کیلئے راہزنی اور اغوا پر انحصار کرنے لگے۔ یہ قلعہ

www.facebook.com/PK322

www.freepdfpost.blogspot.com

یوسف زئی قبیلہ' پشاور اور سوات کی وادی میں داخل ہو گیا' جبکہ مروت' خٹک اور نیازی قبائل نے دریائے سندھ کے کنارے کے زرخیز علاقوں پر قبضہ کر لیا' دوسرے قبائل یا ان کی ٹولیاں' ہندوستان میں کافی آگے تک چلی گئیں۔ نیازیوں کا ایک حصہ' دریائے ستلج اور بیاس کے درمیانی علاقے' دوآبے کی زرخیز زمینوں کا مالک بن گیا۔ شمالی ہند میں' ہوشیار پور' پٹھان کوٹ' لکھنؤ کے قرب و جوار' روھیل کھنڈ اور بہت سے دوسرے علاقوں میں پٹھان آبادیاں تھیں۔

قبائلی علاقہ جات کے قریب' نسبتاً خوشحال علاقوں پر بسنے والے قبائل کو مستقلاً کو ہستانی قبائل کی طرف سے دباؤ کا سامنا رہتا تھا۔ نسبتاً زیادہ طاقتور قبائل بے خوف و خطر کمزور قبائل کے علاقوں پر قابض ہوتے آئے۔ وزیری اور محسود قبائل کے حملے دریائے سندھ کے کنارے میانوالی اور عیسیٰ خیل تک دراز ہو گئے تھے۔ برطانوی راج میں بنّوں پر وزیریوں اور ٹونک پر محسود قبائل نے لشکر کشی کی۔ اس صدی کے اوائل میں پشاور پر آفریدیوں نے حملہ کیا تھا۔

یہاں ایک پہلو تو بڑی وضاحت سے عیاں ہوتا ہے۔ جب ان کی آبادی اس حد تک بڑھ جاتی کہ ان کی بنجر زمینیں مزید افراد کو خوراک بہم پہنچانے کے قابل نہ رہتیں' تو جو قبائل زیادہ مُہم جُو ہوتے' وہ مشرقی علاقوں پر حملہ آور ہوتے اور ان پر قابض ہو جاتے۔ مایوسی کے عالم میں' کوئی قبیلہ زیریں علاقوں میں سرسبز خطّوں کی تلاش میں سرگرداں رہتا' یا قبائل کے کچھ حصے' پولیس یا فوج میں ملازمت کی تلاش میں' یہاں تک کہ تجارت کے آغاز کیلئے میدانی علاقوں کا رخ کر جاتے۔ پٹھان قبائل کی قبائلی علاقہ جات سے سرسبز اور خوشحال زیریں علاقوں کی طرف نقل و حرکت کا سلطنت ہند کی کمزوری سے براہِ راست تعلق تھا' جب کبھی بھی وہاں طاقت کا خلا پیدا ہوتا' تو سخت کوش پہاڑی قبائل اس موقع کا بھرپور فائدہ اٹھاتے۔

پلٹنا جھپٹنا جھپٹ کر پلٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اِک بہانہ

مثلاً سولہویں صدی کے وسط میں جب یوسف زئیوں کے سردار خان کانجو نے شیخ تاپور کی جنگ میں غوانک خیل قبیلے کو شکست دی' تو اس سے خٹک قبائل کیلئے مشرق کی جانب نقل و حرکت اور آفریدیوں کے لئے تران کے علاقہ پر قبضے کرنے کی راہ ہموار ہو گئی۔ اس طرح' سترھویں صدی میں' جب ہندوستان کی طرف ہجرت کی وجہ سے برکی کمزور پڑ گئے تھے' تو محسودوں نے ان کے علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ ان کے پاس اب کانی گورام کے اردگرد کا علاقہ ہی باقی رہ گیا ہے۔ وزیری اور بٹانی قبائل کو محسودوں کی طرف سے خطرے کی بنا پر مسلسل اپنے علاقوں کا دفاع کرنا پڑتا رہا ہے۔

تقریباً بیس سال قبل تک' جنوبی قبائل کے پٹھان اپنے بال کندھوں تک دراز لٹ کی صورت میں باندھ کر رکھتے تھے۔ پشتو کا نرم لہجہ بولتے تھے اور قبائلی ناچ ناچتے تھے۔ وہ میدانِ جنگ کی طرف ڈھول کی تھاپ پر رقص کرتے ہوئے جاتے تھے اور یہ ان کے قبیلے کا نشان ہوتا۔ شمالی پٹھان اپنے سروں پر اُسترا پھرواتے تھے' اکھڑ لہجے میں بات کرتے تھے' ناچ سے دُور رہتے اور اپنے قبائلی پرچم تلے جنگوں میں حصہ لیتے تھے۔

اپنے علاقوں میں قبائلی پٹھان نیم خانہ بدوشوں کی سی زندگی گزارتے ہیں۔ گرمیوں میں وہ بالائی علاقوں کی طرف نقل مکانی کر جاتے ہیں' جبکہ موسم سرما میں وہ نیچے وادیوں میں چلے آتے ہیں۔ پچھلی صدی سے' قبائل کے زیادہ خوشحال خاندانوں نے آباد علاقہ جات میں سرمائی گھر بنا لئے ہیں' امیر محسودوں کے ٹونک اور ڈیرہ اسماعیل خان میں گھر ہیں' وزیریوں کے بنّوں ساحر اور میران شاہ میں ہیں جبکہ آفریدیوں اور ان کے قریبی قبائل جیسے مہمند کے گھر پشاور میں ہیں۔ شہری زندگی کے بعد کو ہستانی طرزِ حیات اختیار کرنے میں انہیں کوئی دشواری پیش نہیں آتی' مگر بہرحال اس کا ناگزیر نتیجہ یہ ہے کہ یہ خوشحال قبائلی افراد پہلے کی نسبت کم سخت کوش ہو گئے ہیں۔ ایک قبائلی ملک (کسی قبیلے کا بااثر شخص) نے مجھے بتایا کہ وہ اس بات کو ترجیح دیتا ہے کہ اس کے بچے پہاڑوں میں پرورش پائیں' اس طرح وہ زیادہ توانا اور مضبوط جوان بنیں گے۔

پختون اور جذبۂ آزادی

یہ حقیقت ہے کہ پختون تہذیب قدیم تہذیبوں میں سے ایک

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

تہذیب ہے اور یہ بات بھی حقائق پر مبنی ہے کہ یہاں کی ادبیات و روایات کو تاریخی اور تمدّنی عظمت حاصل ہے۔ اس تہذیب میں بسنے والے لوگوں کا انداز فکر و عمل اگرچہ عمومی طور پر جغرافیائی اور نفسیاتی حقیقتوں پر مبنی رہا ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جب بھی ان لوگوں نے فطرت کے مقاصد کی نگہبانی کی تو اسلام ہی کی بدولت انہیں جِلا ملی۔ اس کے برعکس اسلام سے دُوری ان کے انحطاط اور بے راہ روی کا باعث بنی اور اسلام سے ہی بے توجہی ان کے عدم توازن کا سبب بنی۔

ویسے تو پختون اور ملّتِ نجیبہ افغان جن میں سرحدی قبائل بھی شامل ہیں۔ اپنی حمیّتِ اسلامی اور شرافت ملّی کی مُہر ہر دور میں ثبت کرتے رہے ہیں۔ لیکن بحیثیّت قوم کے بلاشک اپنی کمزوریوں اور ضعف کے باوجود جنگ کے قیامت خیز ہنگاموں میں اپنی آزادی، اپنی عزّت اور اپنے شرف کو بہ ہمہ وجوہ قائم و برقرار رکھنے میں کامیاب و کامران ہوئے۔ اس کا روشن ثبوت روسیوں کی لاچاری اور بے بسی میں عیاں ہے۔

آزادی بلاشک ایک بہت بڑی نعمت ہے اس کی قدر و منزلت کو صحیح طور پر تو ایک آزاد انسان ہی بیان کر سکتا ہے۔ سرحدی قبائل، افغان و پٹھان ابتداء سے جفاکش، نڈر، بہادر، جنگ جُو اور آزادی کے شیدائی دکھائی دیتے ہیں۔ انہوں نے نہ صرف یہ کہ کسی دوسری طاقت کی اطاعت کو برداشت نہ کیا بلکہ خود اپنے میں سے بھی کسی کو امیر یا بادشاہ بنا لینا پسند نہ کر سکے۔ یہ حقیقت مسلّمہ ہے کہ ہر خاندان بجائے خود آزاد رہا اور ہر خاندان نے آزادانہ زندگی بسر کرنے کو ہی نعمت غیر مترقبہ خیال کیا۔ بیرونی دشمن کے حملہ آور ہو جانے کی صورت میں یہ قبائل باہمی اتحاد و اتفاق کر لیتے تھے۔ لیکن جہاں تک ان کے باہمی معاملات کا تعلق ہے وہ ہمیشہ ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما دکھائی دیتے ہیں اور بدقسمتی سے یہ قبائل آپس کی رقابتوں اور ذاتی مخالفتوں کو ابتداء ہی سے بہت زیادہ اہمیت دیتے چلے آئے ہیں۔ اسی وجہ سے معمولی معمولی اختلافات پشتینی دشمنیوں کا باعث بنے۔ ان اختلافات کو ختم کرنے کے لئے پشت در پشت جنگیں لڑی جاتی رہیں۔

مؤرّخین کے اقوال کے مطابق گزشتہ اندازاً ڈھائی ہزار سال سے یہ ملّتِ افغانیہ اپنی آزادی کے قیام کے لئے سینہ سپر رہی۔ انہیں مشرق و مغرب کی طرف کے ہر حملہ آور نے کچلنے کی کوشش کی لیکن کوئی ایک بھی انہیں طوقِ غلامی زیبِ گلو کرنے پر آمادہ نہ کر سکا اور یہی وجہ ہے کہ صدیاں گزر جانے پر بھی یہ قبائلی اپنی اندرونی اصلاح کی طرف کوئی توجہ نہ دے سکے۔ گھر گھر آزادی پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے وہ اپنے لئے کوئی اجتماعی نظامِ حکومت قائم نہ کر سکے۔ پٹھان یا افغان کے ہاں بااصول زندگی گزارنے کا ایک محدود تصوّر بھی قائم ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تصوّر علاقائی ہیئتِ زندگی کے نتیجہ میں قائم ہے۔ باوجود اس کے کہ سرحدی قبائل سو فیصد مسلمانوں پر مشتمل ہیں۔ اسلامی تعلیمات کا فقدان ایک جُزوِلاینفک کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔ شاید ایک متشدّد سرحدی ذہن اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہو پاتا کہ امن و سلامتی کی زندگی ایک غیر منظم معاشرہ کا وصف نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ پٹھان اپنے دشمن سے بدلہ چکائے بغیر کبھی مطمئن نہیں ہو سکتا۔ چاہے دشمن ایک ہی باپ کی اولاد کیوں نہ ہو۔ بہادر جنگجو بننے کی تربیت تو دی جاتی ہے لیکن خدا پرست مجاہد بننے کی تعلیم کا وجود کہیں بھی نظر نہیں آتا تھا۔ تیگہ یعنی عارضی صلح یا پھر میراتہ یعنی بدترین قسم کا بدلہ ہی ان کا شعار بن کے رہ گیا۔ سنگین ترین معاملات یا بدترین قسم کی دشمنی میں فریقِ مخالف موقع پاکر اپنے دشمن کو معہ اس کے زن و بچہ کے بہ یک وقت قتل کر دیتا ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد بہت سی خوش آئند تبدیلیوں کا ظہور ہوا۔ قبائلی علاقوں میں مختلف سطح کے سکول اور کالج کھولے گئے۔ روایتی اسالیب جو کہ اسلام سے ماخوذ تھے ان کی ترویج و افزائش کی گئی۔ دوست پروری، مہمان نوازی وغیرہ تمام اوصاف کو از سر نو اجاگر کیا گیا۔ اگرچہ ایسے مثبت پہلو قبائلی زندگی کا ایک حصّہ تھے جو کہ غیر مسلموں کے رویّہ کی وجہ سے قبائلی تہذیب میں دب کر رہ گئے تھے۔ یہ ایک پٹھان ہی کا خاصہ تھا کہ اگر تم پٹھان کا اعتماد حاصل کر سکو اور مہربانی سے پیش آؤ تو وہ پوری وفاداری سے اس کا بدلہ دے گا۔

پٹھان یا افغان کی زندگی میں ایک خاص قسم کا اکھڑپن بھی موجود ہوتا ہے۔ ان کی غالب خصلت، دشمنی، کینہ، انتقام کی دُھن، جنگوں میں

www.facebook.com/PK322

www.freepdfpost.blogspot.com



اپنی شکاری حس کو اجاگر کرنے کے لئے لڑکے غلیل کا استعمال کر رہے ہیں۔ اپنی کم عمری کے باعث وہ ابھی بندوق کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

www.facebook.com/PK322

www.freepdfpost.blogspot.com



گھُس پڑنا اور ذرا ذرا سی بات پر خصومت و منازعت کا اظہار پوری شدّومد سے کرنے میں تہور ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان میں شجاعت اور اطاعت کا جذبہ بھی کُوٹ کُوٹ کر بھرا ہُوا ہے۔ سادگی کو ترجیح دیتے ہیں اور بسااوقات تکلّفات پر نفرت کا اظہار بھی کرتے ہیں۔ مذہبی جنون کی حد تک غیرت کا ایک غلط نظریہ قائم کئے ہوئے ہیں۔ ہر بات پر گولی اور اندھے انتقام کا ایک غیر فطری اندازِ فکر بدرجۂ اُتم پایا جاتا ہے۔ مجاہدانہ زندگی کا غیر متوازن روّیہ اب بھی موجود ہے۔ ماضی قریب ہی کی بات ہے کہ کشمیر کو آزاد کرنے کے لئے کشمیریوں کی عزت و ناموس اور جان و مال ہی کو ہدف بنا لیا گیا تھا۔ منفی رجحانات کا ازالہ فقط اسلامی تعلیم ہی سے ہو سکتا ہے۔ شاید اس بات کو ارباب اختیار پُوری طرح سمجھ گئے ہیں۔ ہم تو فقط دعاگو ہیں۔

مشترکہ اجداد

پٹھان سمجھتے ہیں کہ وہ سب ایک ہی جدِّ امجد، قیس کی اولاد ہیں، کہا جاتا ہے کہ اس کی ملاقات پیغمبر اسلام محمد صلی اللہ علیہ وسلم، (۶۳۲ء-۵۷۰ء) سے ہوئی تھی۔ پیغمبر نے قیس کو "پی تھون" کا نام دیا اور قیس اسلام کو اپنے وطن لایا۔ قیس کا ایک بیٹا افغانہ تھا، جس کے چار بیٹے تھے۔ ہر پٹھان قبیلہ، اپنا شجرہ، اِنہی چاروں میں سے کسی ایک بیٹے کے ساتھ ملاتا ہے۔

ان چار پٹھان شاخوں میں، پہلی شاخ سربانی ہے۔ اس میں پٹھانوں کا سب سے بڑا قبیلہ یوسف زئی شامل ہے۔ جو سوات کے علاقے میں آباد ہُوا۔ اس کے علاوہ اس میں ترکلانی، مہمند اور محمد زئی قبائل بھی

تقریباً دو ہزار قبل مسیح تعمیر کیے ہوئے ایک بدھ خانقاہ کے کھنڈر۔ سلطنت گندھارا کے باقیات میں بس یہ بدھ فن اور کھنڈرات ہی باقی بچے ہیں۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

شامل ہیں۔ دوسرے گروہ کا نام بٹانی ہے۔ غلزئیوں (افغانستان میں سب سے بڑے پٹھان قبائل میں سے ایک) لودھیوں، سُوریوں، مروت، لوہانیوں، نہانی، ہزانیوں کے علاوہ، میرے والد کے قبیلے، نیازیوں کا تعلق بھی اسی شاخ سے ہے۔ تیسری شاخ کرلانی ہے۔ جس میں کچھ جنگجو ترین قبائل جیسے محسود، وزیری، آفریدی، اورک زئی اور بنگش شامل ہیں۔ قبائلی علاقہ جات میں بسنے والی پٹھانوں کی اکثریت کا تعلق اسی شاخ سے ہے۔ چوتھا گروہ، غرغشتی ہے، جس میں سے شنواری قبائلی علاقہ جات میں، جبکہ اس کے باقی قبائل شمال مغربی سرحدی صوبے کے جنوب کی جانب، بلوچستان کے علاقے میں آباد ہیں۔

حرّیت پسند فطرت

ایک ہزار سال پہلے، محمود غزنوی، جسے بعد میں افغانستان کا بادشاہ بننا تھا، کے ہندوستان پر حملوں سے قبل تک پٹھانوں کی تاریخ کے بارے میں بہت کم معلوم ہے۔ اس کی آمد سے ڈیڑھ ہزار سال قبل تک، پشاور کی وادی گندھارا سلطنت کا مرکز تھی، اس کو خاص طور پر بدھسٹ فن پاروں کی وجہ سے جانا جاتا۔ اس تہذیب کے کچھ کھنڈرات ہی اب باقی رہ گئے ہیں۔ محمود نے یہ علاقہ فتح کر لیا، اور آہستہ آہستہ یہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا، اس کی فوج زیادہ تر پٹھانوں پر مشتمل تھی۔ سومنات پر اس کے حملوں کے دوران، قبیلے "برکی" نے مشہور ہندوستانی مندر سومنات پر حملے کی قیادت کرتے ہوئے تاریخ میں اپنا مقام بنایا۔

ہیں زندہ و جاوید روایات ہماری
دس کافروں پر ایک مسلمان ہے بھاری

صدیوں سے پٹھان تمام فاتحین کی مزاحمت کرتے آئے ہیں۔ ان کی شدید خوددار فطرت نے کسی بھی سلطنت یا فاتح کیلئے یہ ناممکن بنا دیا، کہ وہ کسی بھی عرصے کے لئے انہیں اپنا مطیع رکھ سکے۔ اس کے باوجود پٹھانوں کی خوددار فطرت ایک دو دھاری تلوار ثابت ہوئی ہے۔ اگرچہ اس طرح وہ اس قابل تو ہو گئے کہ تاریخ میں اپنی آزادی کو محفوظ رکھ سکیں، مگر اس عمل نے انہیں اپنی کوئی بھی سلطنت تعمیر کرنے سے باز رکھا ہے۔

دہلی میں پٹھانوں کی مختلف بادشاہتیں قائم ہوئیں، پندرھویں صدی کے وسط میں، جسے سلاطین کا عہد کہا جاتا ہے۔ لودھی خاندان نے کچھ عرصہ تک حکومت کی۔ سُوری اور نیازی جو لودھیوں کے قریبی قبائل تھے، نے ان کا ساتھ دیا، لودھی سلطنت کے استحکام کیلئے جنگجو جوان فراہم کرنے کے سلسلے میں ان قبائل کو جاگیریں عطا کی گئیں۔ لودھی خاندان کو بیرونی حملوں کی مزاحمت کرنے کی نسبت اپنی پٹھان اشرافیہ سے نمٹنے میں زیادہ مسائل کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ ہر پٹھان مَلِک خود کو سلطان کے ہم پلّہ سمجھتا تھا، اور سلطان کی طرف سے ذرا سی بھی عزت واحترام میں کمی یا ہتک کا نتیجہ بغاوت کی صورت میں نکل سکتا تھا۔ یہ پٹھانوں کا ایک ناراض گروہ ہی تھا جس نے ۱۵۲۶ء میں بابر کو اپنی ہی لودھی سلطنت کا تختہ اُلٹنے کیلئے بلایا۔ پانی پت کے میدان میں اس کی فتح سے مُغل سلطنت کا آغاز ہُوا، اور اگلے ڈھائی سو سال تک ہندوستان پر ان کی حکومت قائم رہی۔

اس کے بعد پھر ایک مختصر عرصہ آیا جب ہندوستان دوبارہ پٹھانوں کے زیرِ نگیں آ گیا۔ اس وقت جب عظیم شیر شاہ سُوری نے بابر کے بیٹے شہنشاہ ہمایوں کو ۱۵۳۹ء میں شکست دی۔ مگر اس کے باوجود کہ اپنی بے پناہ قائدانہ صلاحیتوں کی بنا پر شیر شاہ سُوری تمام افغان قوم کا راہ نما بن گیا، اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ اس کے بیٹوں کو بھی بادشاہ کے طور پر تسلیم کر لیا جائے گا، درحقیقت سُوری اقتدار شیر شاہ سُوری کی وفات کے بعد جاری خانہ جنگی کی وجہ سے کمزور ہو کر ختم ہو گیا۔ پٹھان اس قدر منتشر حصوں میں بٹ چکے تھے کہ ہمایوں کی زیرِ قیادت مُغل ان سے اقتدار دوبارہ چھیننے کے قابل ہو گئے۔ اس کے بعد گو پٹھانوں نے برِصغیر میں مختلف بادشاہتوں کے دَوران، وزراء، گورنر، جنرل اور جنگجو افراد ضرور فراہم کئے، مگر ان کے پاس حکمرانی کبھی واپس نہیں آئی۔

مُغلوں کے خلاف پٹھانوں کی مزاحمت

ہمایوں کے بیٹے اکبر کے دَور میں مغلیہ سلطنت کو پہلے پٹھان قوم

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



پرست پیر روشن کی بغاوت کا سامنا کرنا پڑا۔ میری دادی انہی کی اولاد میں سے تھیں۔ (پیر روشن کا اصل نام بایزید خان تھا ---- پیر کا معنی ہے ' درویش ')۔ پیر کو' کم و بیش سارے قبائلی علاقہ جات کی حمایت حاصل تھی۔ بغاوت کی ایک وجہ یہ تھی کہ کٹّر مسلمان ہونے کی وجہ سے' وہ اکبر کے پیش کردہ اسلام کے انداز (جیسا کہ اس نے اپنی کتاب دینِ الٰہی میں بیان کیا) کو قبول نہیں کر سکتے تھے۔ پیر روشن کا یقین تھا کہ اکبر کافر تھا اور اس کے خلاف جہاد کرنا پٹھان کا فرض ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ پیر روشن اباشہباز کی اولاد میں سے تھا' جس نے ہرات کے بادشاہ کی بیٹی سے شادی کی تھی کیونکہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ ہرات کے بادشاہ کا خاندان مغلوں سے زیادہ قدیم اور عالی مرتبت ہے' پیر روشن نے سوچا کہ اسے مغلیہ شہنشاہ اکبر کی نسبت حکمرانی کا زیادہ حق ہے' جس کے دادا نے بہرطور غیر قانونی طور پر لودھی پٹھانوں سے اس سلطنت کو چھین لیا تھا۔

پیر روشن نے مغلوں سے جنگ کی اور اس کے بعد اس کے چھ بیٹوں نے اس جدّوجُہد کو جاری رکھا۔ ایک کے سوا باقی سب بیٹے اس جنگ میں مارے گئے۔ باقی بچ جانے والا بیٹا' جلال الدین' دریائے سندھ کے کنارے واقع قبیلے "ہزارہ" کے ہاتھوں مارا گیا۔ (جلال الدین کے خلاف اکبر کی مہّمات میں سے ایک میں' نیازیوں کے ایک گروہ نے' اپنے ہم قوم پٹھانوں کے خلاف' مغلوں کی حمایت میں حصہ لیا) پیر روشن بھی مارا گیا اور اس کے سر کو کابل گورام میں دفن کیا گیا۔ اس کی بہو بی بی عالیہ نے جدّوجُہد جاری رکھی' آخرکار اس کا مغلوں سے سمجھوتہ ہو گیا اور جالندھر کے نزدیک اس کو جاگیر عطا کی گئی۔

روشنیہ تحریک کے نام سے مشہور یہ پٹھان بغاوت کا تسلسل سترھویں صدی تک برقرار رہا۔ پیرروشن کا بھتیجا امداد خان اس کا راہ نما بن گیا اور اس نے مغلوں کو کئی شکستوں سے دوچار کیا۔ علی مسجد کے قریب کاتا کشتہ کے مقام پر انہوں نے مُغل گورنر کی فوج پر گھات لگائی اور اسے تباہ کر دیا۔

****

وانا چھاؤنی کے میس میں' اسکاؤٹس کی چائے سے تواضع کی جارہی ہے۔ شمالی مغربی سرحد کی حفاظت کے لئے برطانویوں نے اسے انیسویں صدی کے آخر میں تعمیر کیا تھا۔ وانا چھاؤنی پر وزیرستان کے ہیرو ملا پاوندہ کی قیادت میں وزیریوں اور محسودوں کے مشترکہ لشکر نے حملہ کیا تھا۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

باطل سے دبنے والے اے آسمان نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تُو امتحاں ہمارا

گورنر اپنی بیٹی اور بیوی کو چھوڑ کر فرار ہو گیا جس کے نتیجے میں انہوں نے' اس بات کے باوجود کہ وہاں سے جانے میں آزاد تھیں' پٹھانوں ہی کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی۔ اس لڑائی میں آفریدیوں اور اورکزئیوں نے امداد خان کی مدد کی' جنہوں نے بعد میں بھی تیراہ کے پہاڑوں کے قریب' گنگارا میدان میں مغلوں کو شکست دینے میں اس کی مدد کی۔ مُغلوں کے آخری دنوں تک' پٹھانوں نے شمال مغربی سرحد کے علاقے میں مُغل فوجوں کو پریشان کرنا بند نہیں کیا۔ ان بغاوتوں کی وجہ سے مُغلوں کی عسکری قوت بہت حد تک گھٹ گئی اور وسطِ ایشیا سے تازہ دم لڑاکا افراد کی بھرتی (بشمول پٹھان قبائل سے' جن میں سے بہت سے مغلوں سے تعاون کرتے تھے) خطرناک حد تک کم ہو گئی۔

اٹھارھویں صدی میں' جب آہستہ آہستہ برّصغیر کا اقتدار مُغلوں کے ہاتھوں سے نکلنا شروع ہوا' تو سکھ پنجاب کے مالک بن گئے اور زیادہ عرصہ نہ گزرا کہ پٹھانوں سے ان کی پنجہ آزمائی شروع ہو گئی۔ اگرچہ کچھ عرصہ تک وہ میدانی علاقوں پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے' سکھ کبھی بھی بالائی قبائلی علاقوں میں اپنا اقتدار قائم نہیں کر سکے۔ ان کو اس وقت ایک بڑی شکست کا سامنا کرنا پڑا' جب ان کا عظیم جرنیل ' ہری سنگھ' جمرود کے مقام پر پٹھانوں کے خلاف لڑتا ہوا افغان جنرل اکبر خان کے سپاہیوں کے ہاتھوں مارا گیا۔

عظیم مُہمّ

انیسویں صدی کے وسط تک انگریز برّصغیر کے حکمران بن چکے تھے۔ پہلی بار انکا پٹھانوں سے واسطہ افغان جنگ (۴۲-۱۸۳۸) کے دَوران ہوا۔ انگریز' اپنی شمال مغربی سرحد کی جانب سے کسی ممکنہ روسی حملے کے بارے میں بہت متفکّر تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس علاقے کو برطانیہ کے زیرِاثر ایک بفر علاقہ بنانا چاہا اور روسیوں کو خبردار کیا کہ وہ افغانستان کی سرحدوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ نہ کریں۔ اس سے سازشوں اور جاسوسی کے اس سلسلے کا آغاز ہوا جسے 'عظیم مُہم' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جو انیسویں صدی کے دوسرے نصف میں قبائلی علاقہ جات میں برطانوی حکمتِ عملی پر مسلسل اثر انداز رہی۔ افغان سرحدوں کی حفاظت کے لئے فوجی دستوں کو افغانستان پہنچانے کے لئے انگریزوں کو پہاڑی درّوں کو اپنے زیرِنگیں لانا پڑتا تھا۔ جب انہوں نے ان درّوں پر قبضہ کرنے اور یہاں سڑکیں اور قلعے تعمیر کرنے کی کوشش کی' قبائلی پٹھانوں سے ان کا سامنا ہُوا' جنہوں نے اس حکمتِ عملی کو اپنی آزادی چھیننے کی کوشش سے تعبیر کیا۔

انگریزوں کو پوری طرح یہ بات سمجھ میں نہ آئی کہ ان کا پالا کس قسم کے لوگوں سے پڑا ہے۔ انہوں نے انعام اور سزا کی حکمت عملی اپنائی۔ وہ سڑکیں محفوظ رکھنے کے لئے قبائل کو مراعات دیتے اور اس دَوران' اگر وہ کوئی زیادتی کرتے' تو ان کو سزا دینے کے لئے اپنی فوجیں روانہ کر دیتے۔ مگر قبائلیوں کے خلاف رکاوٹیں کھڑی کرنے' ان پر بمباری کرنے' ان کے قیمتی پھلدار درختوں کو تباہ کرنے' یہاں تک کہ ان کے کاشت شُدہ رقبے پر نمک پھینکنے کے باوجود' انگریز کبھی بھی پٹھانوں کو مطیع کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اگرچہ انہیں اس کی بہت بھاری قیمت ادا کرنا پڑی' مگر قبائلی اپنی آزادی برقرار رکھنے میں کامیاب رہے۔

ایک صدی بعد' روسیوں کو بھی ایسے ہی مسئلے سے دوچار ہونا پڑا۔ جب ان پر یہ آشکار ہوا کہ ایک ایسی قوم کے لئے جو آخری دم تک اپنی آزادی کے لئے لڑنے پر کمربستہ ہو' تکنیکی برتری بھی کسی کام نہیں آ سکتی۔ افغانستان کی چودہ ملین آبادی میں' ایک ملین سے زیادہ لوگوں نے ۱۹۷۹ء کے رُوسی حملے کے بعد' اپنی جانیں اپنے ملک کی آزادی کے لئے قربان کر دیں۔ آخر میں' اپنے وقت کی تسلیم شُدہ عظیم طاقت کو بھی ایسی قوم کے سامنے پسپائی اختیار کرنا پڑی جس کا ایک ایمان ہے' اور وہ اس قدر مغرور ہے کہ غلامی کو قبول کر ہی نہیں سکتی۔

پٹھان نفسیات

بیسویں صدی کے اوائل میں ایک ایسا واقعہ رُونما ہوا' جو میرے

صفحہ نمبر 25 24: کرم کا ایک علاقہ۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

خیال میں اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ پٹھان کا دماغ کس طرح کام کرتا ہے اور یہ کہ انگریز اسے سمجھنے میں بالکل ناکام رہے۔ مجھے یہ واقعہ میرے ایک دوست منظور خان آفریدی نے بتایا تھا۔ اس کے والد ایک نوجوان آفریدی شیر خان کو جانتے تھے۔ شیر خان تراہ سے اپنے خاندان سمیت پشاور منتقل ہو گیا تھا۔ اسے ایک ملازمت مل گئی تھی مگر اس وجہ سے اسے کئی دنوں تک اپنے خاندان سے دُور رہنا پڑتا تھا۔ ایک روز جب وہ واپس آیا تو اسے پتہ چلا کہ اس کی بیوی کسی اور سے ملتی رہی ہے۔ غصے میں آکر اس نے اپنے بیوی اور اس شخص کو جس کے بارے میں اس کا یقین تھا کہ اس کی بیوی کا معاشقہ چل رہا ہے، قتل کر دیا، انگریزوں نے اسے قتل کا مجرم قرار دیا۔ اس کی اس وضاحت کے باوجود کہ قبائلی قانون کے تحت، اس کو اس بات کا حق حاصل تھا، اس کو جزائر انڈیمان میں عمر قید کی سزا دیدی گئی۔

جیل کے محافظ شیر خان کو دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ دراز قد، وجیہہ اور شریفانہ انداز لئے، وہ باقی مجرموں سے جدا نظر آتا تھا۔ وہ اس کی بے پناہ جسمانی قوت کی بنا پر اسے نہایت حیرانی سے تکتے رہتے۔ آہستہ آہستہ ہر ایک پر یہ بات عیاں ہو گئی کہ شیر خان ان سے قطعی مختلف ہے۔ بہت اہم ذمہ داریاں اسے سونپی جانے لگیں اور اس پر پابندیاں کافی حد تک نرم کر دی گئیں اور اس کی سزا کم کر کے پانچ برس کر دی گئی۔ پھر اس کی رہائی سے ایک سال قبل، ایک انگریز افسر جزیرے کا دورہ کرنے آیا، اور شیر خان اچانک اس افسر پر ٹوٹ پڑا اور اسے قتل کر دیا۔

ہر کوئی اس کی حماقت پر حیران تھا، مگر شیر خان کو کسی قسم کا پچھتاوا نہیں تھا، وہ سمجھتا تھا کہ عزّتِ نفس کے پٹھان دستور کے مطابق، وہ اپنی بیوی اور اس کے مُبیّنہ عاشق کو قتل کر دینے میں حق بجانب تھا تاکہ وہ اپنے خاندان، خاص طور پر اپنے بچوں کے وقار کا تحفظ کر سکے۔ زندگی اس ذلت کا متبادل ہرگز نہیں تھی جس کے تحت اس کے ساتھ عام مجرموں کا سا برتاؤ کیا گیا۔ بدلہ اسے چُکانا ہے، اور انگریز افسر وہ واحد شخص تھا جس سے وہ یہ انتقام لے سکتا تھا۔ بعد ازاں، شیر خان کو پھانسی دے دی گئی۔

جولی ایلس کا اغوا

تقریباً اسی زمانے میں رونما ہونے والا ایک اور واقعہ ہندوستان اور برطانیہ میں وجۂ نزاع بن گیا۔ ۱۹۲۰ء کی دہائی میں انگریزوں نے عجب خان نامی آدم خیل کے ایک آفریدی پر رائفلیں چُرانے کا الزام لگایا۔ تھوڑی سی نفری کے ساتھ انہوں نے عجب خان کے گاؤں کی تلاشی لی۔ ان سے غلطی یہ سرزد ہوئی کہ انہوں نے عجب خان کے گھر کی بھی تلاشی لے ڈالی۔ یہ افواہ عام ہو گئی کہ عجب خان کی بیوی کی بھی تلاشی لی گئی ہے۔ جب عجب واپس آیا، تو اس کی بیوی نے بدلہ لینے کا مطالبہ کیا۔ اس نے حقیقی پٹھانی انداز میں بدلہ لینے کا منصوبہ بنایا۔ عجب نے میجر کی بیٹی جولی ایلس کو اغوا کرنے کا فیصلہ کیا۔ کوہاٹ میں ان کے بنگلے کے برآمدے میں بپا ہونے والے اس معرکے کے دوران لڑکی کی ماں ماری گئی۔ عجب نوجوان لڑکی کو اپنے ہمراہ تراہ لے گیا۔ انگریزوں کے غیظ و غضب کی انتہا نہ رہی، اور انہوں نے عجب اور جولی کو تلاش کرنے کی بے پناہ کوششیں کیں۔ آخرکار، اس نے لڑکی کو کوئی گزند پہنچائے بغیر واپس کر دیا اور سرحد پار کر کے افغانستان چلا گیا، جہاں ایک قومی ہیرو کی حیثیت سے اس کا استقبال کیا گیا۔

ملکی نظام

انگریزوں کی آمد سے قبل، قبائلی علاقہ جات مختلف حصوں میں منقسم تھے۔ انگریزوں نے قبیلوں سے براہِ راست مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ انگریزوں نے قبائلی علاقہ جات میں جو نظام متعارف کروایا، وہ مالکی نظام کہلاتا ہے، جس کے تحت قبائلی مَلک، یا بااثر افراد کو وظائف ادا کئے جاتے تھے۔ انگریزوں نے مَلکوں کو طاقتور بنانے کی کوشش کی تاکہ ان کی وساطت سے وہ یہاں قوت حاصل کر سکیں، جیسا کہ انہوں نے باقی برصغیر میں موجود نوابوں، جاگیرداروں اور سرداروں کے ساتھ کیا تھا، جو اب ان کی اطاعت کرتے تھے، یہاں تک کہ بلوچستان میں بھی، جہاں قبائل جنگجو اور توانا تھے۔ سرداری قبائلی نظام کا مطلب یہ تھا کہ انگریز سرداروں کے ذریعے یہاں مقتدر تھے، قبائلی عوام اپنے سردار کی مکمل

PTI Karak [OFFICIAL]
www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com
Sadia Amin Baghi



وفاداری کرتے تھے (امریکہ آج کل مسلمان ممالک میں جو کچھ کر رہا ہے' وہ اس کے بالکل مشابہہ ہے۔ چونکہ دوست جمہوریتوں کی نسبت دوست آمروں سے معاملہ کرنا کہیں زیادہ آسان ہے' اسلامی ملکوں میں جمہوریت کی قیمتوں پر آمریتوں کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی کی جاتی ہے۔ الجیریا اس کی ایک کلاسیک مثال ہے)

تاہم یہ حکمتِ عملی قبائلی علاقہ جات میں ناکام ہو گئی کیونکہ مُلکوں کا اپنے قبائلیوں پر بہت کم اثر و رسوخ تھا جو مسلسل اپنے مُلکوں سے قطع تعلقی کرتے رہتے تھے کیونکہ وہ انہیں انگریزوں کے ایجنٹ سمجھتے تھے اور ایسے لوگوں کو اپنا سردار بنا لیتے تھے جو قبائلی مفادات کو عزیز رکھتے۔ شمالی قبائلی پٹّی میں یہ حکمتِ عملی کچھ کچھ کامیاب ہوئی' مگر اس کا انحصار اکثر پولیٹیکل ایجنٹ (سرکاری نمائندہ) کی ذاتی خصوصیات پر ہی ہوتا تھا۔

اس حکمتِ عملی سے وزیرستان میں بڑی ابتری پھیلی۔ وزیرستان کا پہلا پولیٹیکل ایجنٹ یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ تقریباً تین ہزار محسود جرگہ میں شمولیت کے لئے آگئے ہیں وہ سب خود کو مُلک سمجھتے تھے۔ اس کے بلائے گئے ایک محسود جرگہ میں' ایک قبائلی جاگر عبدالرحمٰن خیل بھلوزئی کھڑا ہو گیا اور بولا' "سمجھو کہ یہ میدانِ جنگ ہے اور ہم سب کو ایک توپ سے اڑا دو' یا ہم سب ۱۸ ہزار افراد کو نواب بنا دو۔" اس کے باوجود یہ نظام ابھی تک قائم ہے' کیونکہ کبھی بھی اس سے بہتر نظام بنانے کی متفقہ کوشش کی ہی نہیں گئی۔

مُلک اپنے لوگوں کی خواہشات کا بے حد خیال رکھتا ہے۔ ایک جاگیردار کے برعکس' جو ایک غلام آبادی پر اپنی مرضی مسلّط کر دیتا ہے' مُلک اپنے لوگوں کو یہ احساس دلانے کے لئے جتن کرتے ہیں کہ وہ انہی

****

پاکستان کے قبائلی علاقہ جات اور جنوبی افغانستان ہمیشہ سے قریبی رشتوں میں بندھے رہے ہیں۔ سرحد کے ساتھ ساتھ حالیہ افغان جنگ کے نشانات پائے جاتے ہیں۔ یہ درہ تری مینگل میں مجاہد گوریلوں کی قبریں ہیں۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

میں سے ایک ہیں۔ قبیلے کے اندر لوگ بے حد آزاد منش ہوتے ہیں اور اپنے حقوق کا ادراک رکھتے ہیں۔ شاذ ہی کوئی ملک ایسا قانون منظور کرتا ہے جو لوگوں کی نظر میں ناپسندیدہ ہو۔ ۱۸۹۰ء میں کچھ محسود مَلِک، جن کے بارے میں خیال کیا گیا کہ وہ قبائلی مفادات کی ترجمانی نہیں کر رہے، قتل کر دیئے گئے تھے۔

درحقیقت، کوئی بھی طاقتور شخص، جو اپنے قبیلے کے کسی کمزور فرد کے خلاف اپنی طاقت کا غلط استعمال کرتا ہے، سزا کا حقدار ٹھہرتا ہے۔ کانی گورام میں برکیوں کے ایک بزرگ پیر یعقوب شاہ دانشمندی نے مجھے بتایا کہ وہ تین ایسے گھروں کو جانتا ہے، جن کو پورے قبیلے نے اس بنا پر نذرِ آتش کر دیا کہ وہ اپنے کمزور حریفوں پر ظلم اور نا انصافی روا رکھتے تھے۔ ایک موقع پر ایک شخص کو سرعام پھانسی دیدی گئی۔

ایف سی آر کا نظام

ملکی نظام کے تحت قبائلیوں کو زیرِ نگیں کرنے میں اپنی ناکامی کے بعد، انگریزوں نے ایک نیا نظام متعارف کرایا، جو آج کل بھی مستعمل ہے۔ اس ایف سی آر (فرنٹیئر کرائمز ریگولیشن) نظام کی اساس قبائلی قانونی نظام پر اُستوار ہے (قبائلی جرائم کے انصاف کے نظام کی جڑیں اسلامی روایت میں پیوست ہیں، اور بہت سے پہلوؤں میں بدّو قبائل کی رسومات سے مماثل ہیں۔ مُطمحِ نظر یہ ہوتا ہے کہ مظلوم گروہ کو مطمئن کیا جائے، جبکہ مغربی قانون، مجرم کو سزا دینے پر مبنی ہے)

اس نظام کا بنیادی پہلو یہ ہے، کہ جب کبھی کوئی جُرم (دیوانی یا فوجداری) وقوع پذیر ہو، پولیٹیکل ایجنٹ جرگہ کے ذمہ یہ کام لگاتا ہے کہ وہ اس کی تحقیق کر کے مجرم کا تعیّن کرے اور یہ کہ اس نے یہ جرم کیوں کیا، اور بعد ازاں اس کی سزا بھی تجویز کرے۔ پولیٹیکل ایجنٹ کبھی بھی جرگہ کی سفارشات کے خلاف عمل نہیں کرتا۔ مثلاً اگر جرگہ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ قاتل کو صرف جرمانہ عائد کیا جائے تو پولیٹیکل ایجنٹ اس کے لئے سزائے موت تجویز نہیں کر سکتا۔

ایف سی آر نظام کا دوسرا پہلو، پورے ذیلی قبیلے کے لئے سزا تجویز کرنا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اگر کوئی جُرم کسی ذیلی قبیلے کی حدود میں سرزد ہو، تو پورا ذیلی قبیلہ اس کا ذمہ دار سمجھا جاتا ہے، اور حکومت کو یہ اختیار ہے کہ وہ جتنے لوگوں کو پکڑ سکتی ہے، گرفتار کر لے، اور انہیں اسی وقت رہا کرے جب قبیلہ اس کے لئے جرمانہ ادا کر دے۔ اس نظام کا یہ پہلو قبائلیوں میں پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا، مگر پولیٹیکل ایجنٹوں کے مطابق، اگر یہ دھمکی نہ ہو، تو قبائل پر قابو رکھنا ناممکن ہو جائے۔

قبائلی قوانین اور رواج

۱۹۴۷ء سے، جب پاکستان انگریزوں کے تسلّط سے آزاد ہُوا اور شمال مغربی سرحدی صوبے نے پاکستان کا حصہ بننے کے حق میں ووٹ دیا، پاکستانی حکومت نے قبائلیوں سے معاملات کرنے کے سلسلے میں انگریزوں کی ہی تقلید کی ہے۔ قبائلی علاقہ جات، سات ایجنسیوں اور چار سرحدی علاقوں (جو ڈیرہ اسماعیل خان، بَنّوں، کوہاٹ اور پشاور کے اضلاع سے ملحق ہیں) پر مشتمل ہیں، کو کم و بیش خود مختار ہی رہنے دیا گیا ہے، جہاں ان کے اپنے قوانین کا عمل دخل ہے۔

سڑکوں پر پاکستان کے قانون کا اطلاق ہوتا ہے۔ حکومت، اپنے پیشرو انگریزوں کی طرح، درحقیقت قبائل کو رقم ادا کرتی ہے کہ وہ سڑکوں کو کھلا رہنے دیں۔ مگر اس کے علاوہ ہر جگہ، قبائلی قانون مؤثر ہے۔ پاکستان کے تقریباً چھ سو وفاقی قوانین میں سے، صرف چوالیس کا اطلاق قبائلی علاقہ جات میں ہوتا ہے اور ان میں سے کوئی بھی پٹھانوں کی زندگیوں پر براہِ راست اثرانداز نہیں ہوتا۔ ہر ایجنسی میں حکومت کا نمائندہ، پولیٹیکل ایجنٹ، جرگوں کے ذریعے قبائلیوں سے معاملات کرتا ہے۔ اس لئے یہ ایک منفرد صورتحال ہے۔ ملک میں ایک ایسے رخطّے کا موجود ہونا، جس میں حکومت کو ذرا بھی اختیار حاصل نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص جُرم کا ارتکاب کرے اور پھر قبائلی علاقہ جات میں فرار ہو جائے، حکومت اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتی کہ وہ قبائل سے درخواست کرے کہ مفرور کو اس کے حوالے کر دیا جائے۔

قبائل اپنے ہی قوانین اور رسوم و رواج کے مطابق زندگی گذارتے ہیں۔ ہر شخص کسی لائسنس کے بغیر ایک رائفل لٹکائے پھرتا

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

ہے، جس کی وجہ سے یہ علاقہ وحشی امریکی مغرب کی طرح کا لگتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی تنازعے میں مارا جائے، تو اس صورتحال سے نپٹنے کی ذمہ داری جرگہ کے ذمے ہے۔ صرف اس وقت حکومت مداخلت کرتی ہے اگر کوئی واقعہ سڑکوں پر رونما ہو۔ اس صورت میں بھی، یہ قبائلی جرگہ سے رجوع کرتی ہے، براہِ راست کوئی قدم نہیں اٹھایا جاتا۔

حکومت شاذ ہی غیر ملکیوں یا غیر پٹھان پاکستانیوں کو قبائلی علاقہ جات میں جانے کی اجازت دیتی ہے۔ اگر کوئی شخص اغوا کر لیا جائے یا لوٹ لیا جائے، تو حکومت کو اس شخص یا مسروقہ اشیاء کی بازیابی کے لئے قبائلی جرگہ بلانے کے طویل طریقے سے گزرنا پڑتا ہے۔ ان حالات میں جرگہ عام طور پر اس صلے میں حکومت سے کچھ مراعات حاصل کرتا ہے۔ بعض اوقات ایک قبیلہ محض اس وجہ سے کسی کو اغوا کر لیتا ہے کہ اس سے اس کی حیثیت پولیٹیکل ایجنٹ کے ساتھ معاملے میں زیادہ ہو جاتی ہے، اور اس شخص کو رہا کرنے کے صلے میں وہ پولیٹیکل ایجنٹ سے کچھ فائدہ اٹھانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

ابھی حال ہی میں، حکومت سے مراعات حاصل کرنے کے لئے ایک پٹھان قبیلے نے چھ چینیوں کو اغوا کر لیا تھا۔ میرے کزن جمشید برکی، جو قبائلیوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں ماہر ہیں، نے گفت و شنید کے ذریعے ان کی رہائی کے لئے راہ ہموار کی۔

جرگہ کا نظام

قبائلی سماج کی بنیادیں جرگہ کے نظام پر ہیں۔ دنیا میں قدیم ترین جمہوری نظاموں میں سے ایک، اس کو ابتدا میں موجودہ ایتھنز کی جمہوریہ کے مماثل قرار دیا گیا ہے، قبیلے کے معزز بزرگ اور مَلک اکٹھے ہو کر متفقہ طور پر قبیلے کے لئے فیصلے کرتے ہیں۔ جرگہ قبائلی جھگڑوں، حکومت کے ساتھ معاملات اور قتل وغیرہ کے بارے میں قوانین بناتا ہے۔ یہ کسی پر جرمانہ عائد کر سکتا ہے، سزائے موت دے سکتا ہے یا اسے قبیلے سے باہر نکال سکتا ہے۔

عام طور پر ذیلی قبیلے کا جرگہ دس افراد پر مشتمل ہوتا ہے مگر یہ پانچ افراد سے لیکر تقریباً دو ہزار افراد تک مشتمل بھی ہو سکتا ہے۔ یہ جرگہ ہی تھا جس کی بنا پر پٹھان اس قابل ہو سکے کہ وہ ناقابلِ مفتوح رہیں۔ کیونکہ کسی بھی فاتح کے لئے کسی شخص سے معاملہ کرنا ناممکن تھا، اسے پورے قبیلے سے معاملہ کرنا پڑتا تھا۔ (درحقیقت، صرف انہی اوقات میں کوئی قبیلہ مکمل طور پر متحد ہوتا تھا جب اس کی آزادی کو کسی بیرونی حملہ آور سے خطرہ درپیش ہوتا تھا) اور چاہے قبیلے کو عارضی طور پر مطیع کر ہی لیا جائے، ایسے لوگ موجود رہتے ہیں جو گوریلا جنگ کو جاری رکھتے ہیں۔

پارلیمنٹ میں نمائندگی

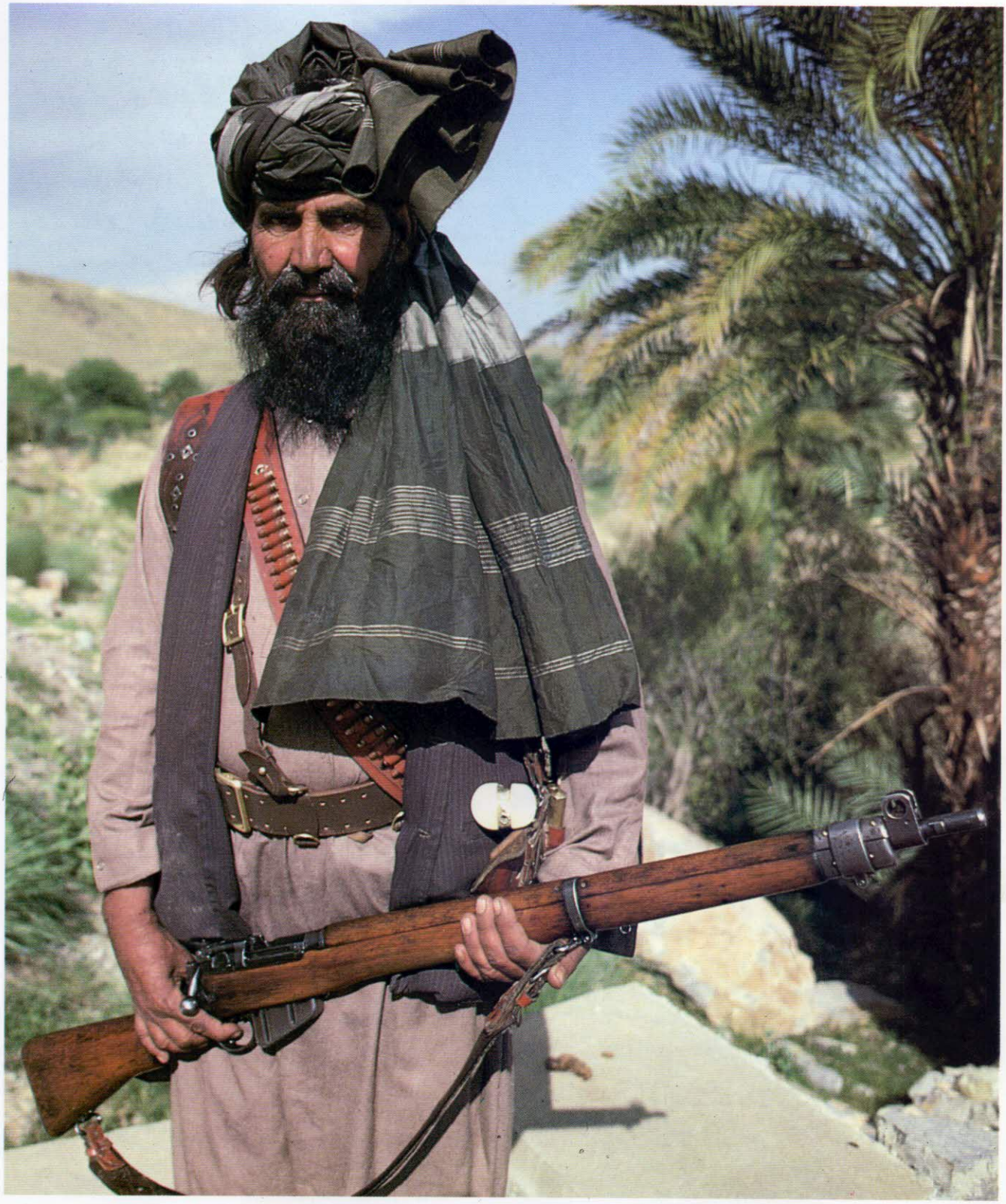
علاقے کے مَلِک پارلیمنٹ میں اپنے نمائندے کا انتخاب کرتے ہیں۔ اگرچہ، افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج کل یہ نظام اتنا انحطاط پذیر ہے کہ امیر ترین مَلِک محض دوسرے مَلِکوں کے ووٹ خرید کر پارلیمنٹ کا رُکن بن جاتا ہے۔ حکومت اس رُکن اسمبلی کے ذریعے علاقے کو رقم فراہم کرتی ہے۔ جس سے اس کے مزید رقم بنانے کے لئے بہت سے اور دروازے کھل جاتے ہیں۔

یہ ایک ناقص نظام ہے اور بہت سے نوجوان قبائلی اسے بوسیدہ سمجھتے ہیں۔ وہ بالغ رائے دہی چاہتے ہیں، تاکہ وہ اس شخص کا انتخاب کر سکیں، جو سب سے بہتر طور پر اسمبلی میں ان کے مفادات کی ترجمانی کر سکے۔ آج کل، قبائلی علاقہ جات میں بالغ رائے دہی اور موجودہ نظام سے چھٹکارا پانے کی بحث چل رہی ہے۔ پولیٹیکل ایجنٹ عام طور پر یہ کہتے ہیں کہ اگر اس نظام کو بدلا گیا تو، اس سے جرگہ کے نظام کا بھی خاتمہ ہو سکتا ہے جس سے علاقے میں نراجیت اور لاقانونیّت کا دَور دَورہ ہو جائے گا۔ بہرطور میرا یہ خیال ہے کہ ایسا نہیں ہو گا۔ میرا یقین ہے کہ قبائلی روایات اس قدر مستحکم ہیں کہ جرگہ کا نظام نہیں ٹوٹ سکتا، اور میرا خیال ہے کہ یہاں بالغ رائے دہی ہونی چاہیے۔ تاہم، اس میں کوئی شک نہیں کہ کراچی اور خلیج میں پٹھانوں کے کام کرنے کی وجہ سے قبائلی علاقہ جات میں زیادہ رقم کے بہاؤ کے باعث مَلِک اور جرگے اتنے زیادہ مؤثر نہیں رہے جتنے کہ پہلے ہوتے تھے۔

حالیہ افغان جنگ کے نتیجے میں ہتھیاروں کی بڑھتی ہوئی نقل و حمل

www.facebook.com/PK322

www.freepdfpost.blogspot.com



قبائلی علاقہ جات میں ہر شخص کے ہاتھ میں ایک بندوق ہوتی ہے۔ اس شمالی وزیرستانی قبائلی کے ہاتھ میں اس کی قابل اعتماد 303 کی رائفل ہے۔ پہلے یہ سب سے زیادہ مقبول رائفل ہوتی تھی۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



اور کچھ علاقوں میں منشیات' خاص طور پر ہیروئن اور کسی حد تک افیون' کی بنا پر بھی قبائلی علاقہ جات میں خوشحالی آئی ہے۔ (افیون روایتی طور پر' جنگ میں قوّت اور سکت کے حصول کے لئے' قبائلی پٹھانوں کے زیرِ استعمال رہی ہے)۔

آئینِ غیرت داری

پٹھان' لفظ 'پختون' کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ اس لفظ کے معانی میں 'ریڑھ کی ہڈی' وفاداری' میزبانی' شجاعت' اور غیرت' شامل ہیں۔ پٹھان ثقافت کی بنیاد انہی اصولوں پر ہے۔ جو ان کے آئینِ غیرت داری میں محفوظ ہیں' جسے پختون ولی یا پٹھانوں کا ضابطۂ حیات کہا جاتا ہے۔ ایک پٹھان دوسرے پٹھان سے نسلی خصوصیات کی بنا پر اتنا نہیں پہچانا جاتا جتنا کہ پختون ولی کے ساتھ اپنی وابستگی کی بنا پر۔ اگر وہ اس ضابطے کی پاسداری نہیں کرتا' وہ پٹھان نہیں ہے۔ اور جو قبائلی جس قدر جنگجو ہوتے ہیں' اتنا ہی وہ اپنے آئینِ غیرت داری کا لحاظ رکھتے ہیں۔

پختون ولی اسلامی عدل کی طرح نا انصافی کو رد کرنے کے جذبے کے قریب ہے۔ کسی شخص کو جانچنے کا پیمانہ یہ نہیں کہ اس کے پاس کتنی دولت ہے' بلکہ یہ کہ وہ اور اس کا خاندان کتنا قابلِ احترام ہے۔ اپنی غیرت کی حفاظت کے لئے پٹھان کسی بھی حد تک جا سکتا ہے۔ وہ اپنی عزت میں ذرا سی بھی کمی کا بدلہ چکاتا ہے------ دوسرا رخسار پیش کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر خاندان کا کوئی فرد قتل ہو جاتا ہے' چاہے کتنا ہی وقت گذر جائے' اس کی موت کا انتقام لیا ہی جاتا ہے۔ اگر خاندان کی کسی عورت کی بے عزّتی ہو جائے' تو جب تک اس بے عزّتی کا بدلہ نہیں لے لیا جاتا' خاندان کی عزّت داؤ پر لگی رہتی ہے۔

****

جرگے کا نظام قبائلی سماج کی بنیاد ہے۔ جرگہ قبیلے کے فیصلے کرتا ہے۔ قانون بناتا ہے اور جرائم کی سزاؤں کا فیصلہ کرتا ہے۔ یہ جنوبی وزیرستان میں سلیمان خیل قبیلے کا جرگہ ہے۔ دیکھیں یہ' بزرگ ہیں جنہیں نشست دی گئی ہے۔ فیصلوں پر بھی یہی اثر انداز ہوتے ہیں۔ عمر کو دانائی کے ساتھ وابستہ کیا جاتا ہے' اور بزرگوں کا بہت زیادہ احترام کیا جاتا ہے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



انتقام صرف خاندان کے مردوں سے لیا جاتا ہے۔ عورتوں کو گزند پہنچانے کو بزدلی تصوّر کیا جاتا ہے۔

انتقام پر اصرار، ہو سکتا ہے مغربی ذہن کے لئے ہضم کرنا کافی مشکل ہو، مگر یہ بہت سی برائیوں کے لئے سدِّراہ کا کام دیتا ہے۔ غُصّے میں آیا کوئی شخص، کسی شخص کی ٹھکائی کرنے یا کسی کو قتل کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچے گا کہ اس سے ایک ایسے خونی فساد کا آغاز ہو گا جو اس کو اور اس کے خاندان کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ اسی لئے، پشاور یا آباد علاقہ جات کے دوسرے شہروں میں چند ہفتوں میں جتنے جرائم ہوتے ہیں وہ پورے قبائلی علاقہ جات میں ایک سال میں ہونے والے جرائم سے زیادہ ہوتے ہیں ------ اس کے باوجود کہ یہاں ہر شخص مسلّح ہوتا ہے۔

خاندان کی عورتیں بھی انتقام کا اتنا ہی مطالبہ کرتی ہیں جتنا کہ خاندان کے مرد، چاہے اس کا نتیجہ ان کے اپنے مردوں کی زندگیوں کو خطرے میں ڈالنا ہی کیوں نہ ہو۔ وہ سمجھتی ہیں کہ ان کے بچوں کی شادیوں کے معاملات اور ان کے مستقبل کا انحصار اس امر پر ہے کہ باقی قبیلہ ان کے خاندان کو کس قدر باغیرت سمجھتا ہے۔

قبائلی پٹھانوں کے کردار کی یہی خصوصیّت ہے جس کی وجہ سے وہ ایک خطرناک دشمن سمجھا جاتا ہے۔ وقت کا تعیّن غیر اہم ہے ------ وہ صحیح موقع آنے تک انتظار کرے گا، جب وہ مکمل طور پر اس کے لئے تیاری کر لے گا۔ چاہے اس میں کتنے ہی سال کیوں نہ لگ جائیں۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی لڑکے کا باپ قتل ہو جائے، اس کی ماں اسے اس بات کے لئے تیار کرتی ہے کہ جب وہ کافی بڑا ہو جائے، تو اپنے باپ کے قتل کا انتقام لے۔ ۱۸۷۰ء کی دہائی میں تراہ میں ایک واقعہ ہوا جس میں کہ ایک آفریدی قبائلی کے مہمان کے گھوڑے کی دُم اُس قبائلی کے عم

****

اگرچہ ہتھیاروں کی پیداوار کو قبائلی علاقہ جات میں ہمیشہ سے پھلتی پھولتی صنعت کا درجہ حاصل رہا ہے، افغان جنگ کی وجہ سے ہتھیاروں کی ترسیل میں بہت اضافہ ہوا ہے۔ فرسودہ مشینری کے باوجود، بندوق سازی کا ہنر نہایت اعلیٰ درجے کا ہے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

زادوں نے مذاق میں کاٹ ڈالی۔ اپنے مہمان کی بے عزّتی پر وہ اِس قدر مُشتعل ہُوا کہ اُس نے اپنے دونوں عم زادوں کو گولی سے اُڑا دیا۔ اس سے ایک ایسے خونی فساد کا آغاز ہُوا' جس میں ایک صدی گزرنے کے بعد سو سے زیادہ جانیں ضائع ہو چکی ہیں۔

پٹھانوں کی میزبانی

اس مثال سے میرے ذہن میں پٹھانوں کے کردار کی ایک اور خصوصیت کا خیال آتا ہے اور وہ ہے ان کی میزبانی' جو کوئی بھی قبائلی علاقہ جات میں جا کر ان کی بربریّت کی توقع رکھتا ہے' ان کی میزبانی کے معیار سے ششدر رہ جاتا ہے۔ اس علاقے میں محدود وسائل کے باوجود' مہمانوں کے لئے کھانے کا جو اہتمام کیا جاتا ہے' وہ حیران کُن ہوتا ہے۔ میرا ایک دوست' جس کا تعلق وزیرستان سے تھا' نے ایک بار مجھے وانا سے تیس کلومیٹر شمال میں واقع اپنے گاؤں میں مدعو کیا۔ اس نے مزید یہ کہا کہ چونکہ میں اس کا مہمان ہوں گا' اس لئے وہ بھی کچھ دنوں کے لئے اچھا کھانا کھا لے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ مہمان کو ہر صورت میں کھانا دیا جائے گا' چاہے میزبان کا خاندان خود بھوکا رہے۔

مہمانوں کو ہر صورت میں مکمل تحفّظ فراہم کیا جاتا ہے۔ جو کوئی بھی کسی قبائلی پٹھان کا مہمان بنتا ہے' اسے یہ یقین کر لینا چاہئے کہ صرف اس کے میزبان کی لاش پر ہی کوئی اسے گزند پہنچا سکتا ہے۔ ایسے واقعات بھی ہوئے ہیں کہ اگر کوئی دشمن بھی چل کر کسی کے گھر آ گیا تو اس کے ساتھ ایک مہمان کے طور پر ہی برتاؤ کیا گیا اور یہاں تک کہ اسے تحفّظ بھی فراہم کیا گیا یہ ایک پٹھان کا فرض ہے کہ جو کوئی بھی اس سے امان کی درخواست کرے' وہ اسے تحفّظ فراہم کرے۔ چاہے اس میں مُجرم ہی کیوں نہ شامل ہوں ----- اور قبائلی علاقہ جات میں بہت سے مُجرم رہتے ہیں جنہیں قبائلیوں کی پناہ حاصل ہے۔ اس کے بدلے میں وہ اپنی روزی کماتے ہیں' کھیتوں پر ان کی مدد کرتے ہیں' یہاں تک کہ ان کے مہمانوں کے محافظ بن جاتے ہیں' اور یوں وہ قبائل کے دست نگر بن جاتے ہیں۔ خیبر ایجنسی میں' مَیں ایک نیازی سے ملا' جو قتل کے جُرم میں سزا یافتہ ہونے کے بعد میانوالی سے فرار ہو گیا تھا اور آفریدی قبائلیوں کے ساتھ رہ رہا تھا۔ اس نے مجھ سے حلفاً کہا کہ وہ بے قصور تھا' اور اس جُرم میں ملوّث کر دیا گیا تھا۔ مگر افسوس' مَیں اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

قبائلی علاقہ جات میں اپنے سفر کے دوران' میں **پولیٹیکل** ایجنٹوں کا مہمان ہوتا تھا' جو ان علاقوں میں میرے جانے کے بارے میں فکر مند رہتے تھے جو ان کے خیال میں محفوظ نہیں تھے۔ مگر ایک بار جب میں ان لوگوں سے واقف ہو گیا تو مجھے احساس ہوا کہ ان کا یوں متفکّر ہونا کس قدر غیر ضروری تھا۔ جن لوگوں کو لوٹا یا اغوا کیا جاتا تھا عام طور پر وہ دُوسرے قبائل کے لوگ' مال و اسباب سے لدے تاجر' یا اکثر غیر ملکی ہوتے تھے' جنہیں بڑی احتیاط سے چُنا جاتا تھا۔ پچھلے عرصے سے قبائلی علاقہ جات میں ٹیلی ویژن آ چکا ہے' چنانچہ بہت سے لوگ مجھے جانتے تھے اور بہت زیادہ مہربان تھے۔ وہ مجھے اپنے میں سے ہی ایک سمجھتے ہوئے' مجھ پر بہت فخر کرتے تھے۔ میں جہاں کہیں بھی گیا انہوں نے خندہ پیشانی سے میرا استقبال کیا اور مجھے وہاں ٹھہرنے کی دعوت دی۔

میں اس احترام اور شائستگی کو دیکھ کر حیران رہ گیا جو مختلف قبائل کے پٹھان ایک دوسرے سے روا رکھتے ہیں اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی کہ ان میں ایک مَلِک ہے اور دوسرا نسبتاً غریب ----- وہ دونوں ایک دوسرے سے برابری اور احترام کا برتاؤ کرتے ہیں' (برصغیر کے باقی علاقوں میں یہ بات بالکل مختلف ہے۔ جہاں صدیوں سے مستحکم جاگیرداری نظام کی وجہ سے اعلیٰ طبقے کے لوگ' نچلے طبقے کے لوگوں سے ادنیٰ برتاؤ کرتے ہیں)۔ یہاں تک کہ پٹھان گھرانوں میں نوکروں کے ساتھ بھی خاندان کے افراد کی طرح کا سلوک کیا جاتا ہے۔ شمال مغربی سرحدی صوبے کے قریب' دریائے سندھ کے کنارے پر واقع' میانوالی میں' میرے والد کے قصبے میں بچے خادماؤں کو خالہ اور نوکروں کو چچا کہہ کر پکارتے ہیں۔

قبائلی اقدار کی حفاظت

مَیں نے یہ دیکھا کہ جتنا کوئی قبیلہ زیادہ جنگجو تھا' اتنا ہی وہ آئین غیرت' پختون ولی' کے ساتھ خود کو وابستہ رکھتا تھا۔ آباد علاقہ جات میں

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

بھی پٹھان اس کی پاسداری کرتے ہیں' مگر اتنی شدّت سے نہیں۔ جب ایک بار پٹھان قبائلی نظام سے باہر ہو جائیں' وہ اس جگہ کے اطوار اپنا لیتے ہیں جہاں وہ رہتے ہیں۔ برکی قبیلے کی شاخ' جو تین سو سال قبل قبائلی علاقہ جات سے علیحدہ ہو گئی تھی' نے آئین غیرت کی پابندی اسی طرح برقرار رکھی کیونکہ وہ ابھی تک ہندوستان کے شہر جالندھر کے نواح میں واقع بستیوں میں' قبائلی نظام کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ لیکن ۱۹۴۷ء میں تقسیم کے وقت وہ لاہور اور پنجاب کے دوسرے شہروں میں ہجرت کر گئے اور منتشر ہو گئے اور آہستہ آہستہ ان کی پٹھان خصوصیات غائب ہونا شروع ہو گئی ہیں۔

مجھے یاد ہے' ابھی میں چھوٹا تھا کہ میری اپنے برکی کزنوں کے ساتھ لڑائی ہو گئی۔ وہ کسی وار کا اس شدّت سے بدلے لینے کے لئے تیار نہیں تھے جس طرح میرے نیازی کزن ہوتے تھے۔ نیازی ابھی بھی عیسیٰ خیل اور میانوالی کے اضلاع میں قبائل کی صورت میں رہتے ہیں (اگرچہ میل جول کے بہتر ذرائع کی وجہ سے ان میں بھی بہت سی پٹھانی خصوصیات غائب ہو رہی ہیں) جب میں اپنے لڑکپن میں تھا۔ تو کٹائی کے بعد کا وقت میانوالی ضلع میں پرانے جھگڑے نمٹانے کا وقت ہوتا تھا۔ کٹائی کے بعد حاصل شدہ رقم سے ہتھیار خریدے جاتے اور دشمنیاں دوبارہ شروع ہو جاتیں۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی تک پاکستان میں سب سے زیادہ قتل کی وارداتیں ضلع میانوالی میں ہوتی تھیں۔

تقسیم کے بعد' تقریباً نصف صدی میں' پنجاب میں بسنے والے برکی' پنجابیوں میں' تقسیم سے پہلے کے تین سو سالوں کی نسبت زیادہ گھل مل گئے ہیں۔ وہ کبھی اپنے قبیلے سے باہر شادی نہیں کرتے تھے' اگر کوئی ایسا کر لیں' تو ان کے بچوں کی پھر برکیوں میں شادی انتہائی مشکل ہو جاتی۔ اب حالات بہت کھُلتے جا رہے ہیں' مگر مجھے امید ہے کہ نیازی اور برکی اپنے قابلِ فخر ورثے کو نہیں کھوئیں گے۔

اِنتہاپسندی

قبائلی علاقہ جات میں اپنے سفر کے دوران' لوگوں میں کچھ خصوصیات خاص طور پر نمایاں تھیں (اگرچہ قطعی طور پر ان کے کردار کو عمومی گردانا بہت مشکل ہے' کیونکہ یہ لوگ شدید آزاد مَنَش اور انفرادیت پسند واقع ہوئے ہیں)

سب سے بُرا پہلو یہ تھا کہ یہ لوگ تعلیم پر بہت کم زور دیتے ہیں۔ یہ بات خاص طور پر قابلِ افسوس ہے کہ یہ بہت اولوالعزم نسل ہے مگر اسے اپنے مخفی جوہروں کا احساس نہیں ہے۔ ماضی میں وہ اپنی آزادی برقرار رکھنے کے لئے تعلیم کی مزاحمت کرتے رہے ہیں۔ پھر بھی' قرآن میں اللہ کے ناموں کے بعد سب سے زیادہ استعمال ہونے والا لفظ 'علم' کا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر' پٹھان اسلام میں تعلیم پر اصرار کا ادراک کر لیں' وہ اسی جوش و جذبے سے اس کو اپنائیں گے جس طرح وہ اپنے مذہب کی پیروی کرتے ہیں۔

پٹھان انتہا پسند لوگوں کی قوم ہے۔ پٹھان شاعر غنی خان کے مطابق' وہ بیک وقت انتہائی وفادار دوست اور خطرناک ترین دشمن ہوتے ہیں' اگرچہ وہ عظیم جنگجو ہیں' لیکن وہ اچھے سپاہی نہیں ہیں' کیونکہ وہ حکم سننے سے نفرت کرتے ہیں۔ ان کے کردار میں مہربانی کا عنصر ہے' مگر وہ اس کا اظہار نہیں کرتے مبادا اسے انکی کمزوری نہ سمجھ لیا جائے۔ غریب ہونے کے باوجود بھی' وہ پُر غرور رہے ہیں۔'

قبائلی علاقہ جات میں اپنے قیام کے دَوران میں نے یہ جانا کہ' یہ پٹھان کی اپنی آزادی سے گہری محبت اور اس کی فرد کی عزّت و احترام ہی وہ خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنے نظامِ اقدار کو برقرار رکھنے کے لئے اس قدر جسمانی مشقتیں جھیلتے ہیں۔ ایک پٹھان لڑکے کو اس کے ماں باپ اور قبائلی بزرگ ہمّت' شان' موت' جنگ' فخر اور خاص طور پر غیرت کے بارے میں بتاتے ہیں اس کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ یہ باتیں زندگی سے زیادہ اہم ہیں۔ چنانچہ وہ مرنے مارنے کی پرواہ نہیں کرتا۔ ہر پٹھان خود کو بادشاہ سمجھتا ہے' اس لئے عم زادوں' بھائیوں' یہاں تک کہ باپ بیٹوں میں بھی ایک مستقل آزمائش جاری رہتی ہے۔

تعلیم کا اسلامی نظریّہ

قرآن مجید کی سب سے پہلی نازل شُدہ آیت کا ترجمہ یہ ہے:

سامنے۔ قبائلی علاقہ جات کی زندگی میں خونی جھگڑوں کی بازگشت رہتی ہے۔ زرمیلان علاقے کے ایک قصبے کا یہ سلیمان خیل لڑکا اپنے والد کی وفات کے بعد اپنے خاندان کا سربراہ بن گیا ہے۔ اس کا باپ ایک خونی جھگڑے میں مارا گیا تھا۔ لڑکے کا باپ ایک ملک تھا' اور یہ حیثیت اسے وراثت میں مل گئی ہے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

بھی پٹھان اس کی پاسداری کرتے ہیں' مگر اتنی شدّت سے نہیں۔ جب ایک بار پٹھان قبائلی نظام سے باہر ہو جائیں' وہ اس جگہ کے اطوار اپنا لیتے ہیں جہاں وہ رہتے ہیں۔ برکی قبیلے کی شاخ' جو تین سو سال قبل قبائلی علاقہ جات سے علیحدہ ہو گئی تھی' نے آئین غیرت کی پابندی اسی طرح برقرار رکھی کیونکہ وہ ابھی تک ہندوستان کے شہر جالندھر کے نواح میں واقع بستیوں میں' قبائلی نظام کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ لیکن ۱۹۴۷ء میں تقسیم کے وقت وہ لاہور اور پنجاب کے دوسرے شہروں میں ہجرت کر گئے اور منتشر ہو گئے اور آہستہ آہستہ ان کی پٹھان خصوصیات غائب ہونا شروع ہو گئی ہیں۔

مجھے یاد ہے' ابھی میں چھوٹا تھا کہ میری اپنے برکی کزنوں کے ساتھ لڑائی ہو گئی۔ وہ کسی وار کا اس شدّت سے بدلے لینے کے لئے تیار نہیں تھے جس طرح میرے نیازی کزن ہوتے تھے۔ نیازی ابھی بھی عیسیٰ خیل اور میانوالی کے اضلاع میں قبائل کی صورت میں رہتے ہیں (اگرچہ میل جول کے بہتر ذرائع کی وجہ سے ان میں بھی بہت سی پٹھانی خصوصیات غائب ہو رہی ہیں) جب میں اپنے لڑکپن میں تھا۔ تو کٹائی کے بعد کا وقت میانوالی ضلع میں پرانے جھگڑے نمٹانے کا وقت ہوتا تھا۔ کٹائی کے بعد حاصل شدہ رقم سے ہتھیار خریدے جاتے اور دشمنیاں دوبارہ شروع ہو جاتیں۔ ۱۹۷۰ء کی دہائی تک پاکستان میں سب سے زیادہ قتل کی وارداتیں ضلع میانوالی میں ہوتی تھیں۔

تقسیم کے بعد' تقریباً نصف صدی میں' پنجاب میں بسنے والے برکی' پنجابیوں میں' تقسیم سے پہلے کے تین سو سالوں کی نسبت زیادہ گھل مل گئے ہیں۔ وہ کبھی اپنے قبیلے سے باہر شادی نہیں کرتے تھے' اگر کوئی ایسا کر لیں' تو ان کے بچوں کی پھر برکیوں میں شادی انتہائی مشکل ہو جاتی۔ اب حالات بہت کھُلتے جا رہے ہیں' مگر مجھے امید ہے کہ نیازی اور برکی اپنے قابلِ فخر ورثے کو نہیں کھوئیں گے۔

اِنتہاپسندی

قبائلی علاقہ جات میں اپنے سفر کے دوران' لوگوں میں کچھ خصوصیات خاص طور پر نمایاں تھیں (اگرچہ قطعی طور پر ان کے کردار کو عمومی گردانا بہت مشکل ہے' کیونکہ یہ لوگ شدید آزاد مَنَش اور انفرادیت پسند واقع ہوئے ہیں)

سب سے بُرا پہلو یہ تھا کہ یہ لوگ تعلیم پر بہت کم زور دیتے ہیں۔ یہ بات خاص طور پر قابلِ افسوس ہے کہ یہ بہت اولوالعزم نسل ہے مگر اسے اپنے مخفی جوہروں کا احساس نہیں ہے۔ ماضی میں وہ اپنی آزادی برقرار رکھنے کے لئے تعلیم کی مزاحمت کرتے رہے ہیں۔ پھر بھی' قرآن میں اللہ کے ناموں کے بعد سب سے زیادہ استعمال ہونے والا لفظ 'علم' کا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر' پٹھان اسلام میں تعلیم پر اصرار کا ادراک کر لیں' وہ اسی جوش و جذبے سے اس کو اپنائیں گے جس طرح وہ اپنے مذہب کی پیروی کرتے ہیں۔

پٹھان انتہا پسند لوگوں کی قوم ہے۔ پٹھان شاعر غنی خان کے مطابق' وہ بیک وقت انتہائی وفادار دوست اور خطرناک ترین دشمن ہوتے ہیں' اگرچہ وہ عظیم جنگجو ہیں' لیکن وہ اچھے سپاہی نہیں ہیں' کیونکہ وہ حکم سننے سے نفرت کرتے ہیں۔ ان کے کردار میں مہربانی کا عنصر ہے' مگر وہ اس کا اظہار نہیں کرتے مبادا اسے انکی کمزوری نہ سمجھ لیا جائے۔ غریب ہونے کے باوجود بھی' وہ پُر غرور رہے ہیں۔'

قبائلی علاقہ جات میں اپنے قیام کے دَوران میں نے یہ جانا کہ' یہ پٹھان کی اپنی آزادی سے گہری محبت اور اس کی فرد کی عزّت و احترام ہی وہ خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنے نظامِ اقدار کو برقرار رکھنے کے لئے اس قدر جسمانی مشقتیں جھیلتے ہیں۔ ایک پٹھان لڑکے کو اس کے ماں باپ اور قبائلی بزرگ ہمّت' شان' موت' جنگ' فخر اور خاص طور پر غیرت کے بارے میں بتاتے ہیں اس کو یہ باور کرایا جاتا ہے کہ یہ باتیں زندگی سے زیادہ اہم ہیں۔ چنانچہ وہ مرنے مارنے کی پرواہ نہیں کرتا۔ ہر پٹھان خود کو بادشاہ سمجھتا ہے' اس لئے عم زادوں' بھائیوں' یہاں تک کہ باپ بیٹوں میں بھی ایک مستقل آزمائش جاری رہتی ہے۔

تعلیم کا اسلامی نظریّہ

قرآن مجید کی سب سے پہلی نازل شُدہ آیت کا ترجمہ یہ ہے:

سامنے۔ قبائلی علاقہ جات کی زندگی میں خونی جھگڑوں کی بازگشت رہتی ہے۔ زرمیلان علاقے کے ایک قصبے کا یہ سلیمان خیلی لڑکا اپنے والد کی وفات کے بعد اپنے خاندان کا سربراہ بن گیا ہے۔ اس کا باپ ایک خونی جھگڑے میں مارا گیا تھا۔ لڑکے کا باپ ایک ملک تھا' اور یہ حیثیت اسے وراثت میں مل گئی ہے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

"پڑھیئے اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔"

اس میں تین اہم باتیں ہیں: ایک یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ہمیں پڑھنے اور علم حاصل کرنے کا حکم ملا ہے' لیکن علم برائے علم نہیں اور علم برائے رزق نہیں اور اس علم کا حصول کسی غیر کے نام پر بھی نہیں بلکہ علم حاصل کرنا ہے اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ معلوم ہُوا کہ دین کی ابتداء علم سے ہوئی اور اس علم میں دو خصوصیات ہونا چاہئیں۔

ایک یہ کہ وہ اپنے پروردگار کی پہچان عطا کرے' اس تک پہنچا دے۔

دوسری یہ کہ اپنی پہچان عطا کرے اور اس دنیا میں رہتے ہوئے دنیا کی حقیقت اور مادی زندگی کے وسائل سے رُوشناس کر دے۔ امام غزالیؒ احیائے علوم الدین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ "علم دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ادیان و مذاہب کا علم اور مادی چیزوں کا علم۔یعنی "علم" کی دو قسمیں ہوئیں۔

پہلی' اخلاقیات' روحانی اقدار اور ادیان و مذاہب کا علم۔

دوسری' طبعی علُوم کا علم جس میں فزکس' کیمسٹری اور تمام جدید سائنس آتی ہے۔

یاد رہے کہ حضورؐ نے دونوں قسموں کو "اَلعلم" میں شامل فرمایا ہے۔

دینی علوم کے ساتھ ساتھ جدید سائنس مثلاً تاریخ' جغرافیہ' معاشیات' طب' ہندسہ' زراعت' فلکیات' ریاضی' ادب وغیرہ کی متوازن تعلیم دراصل اسلامی تعلیم ہے۔

علم و ایمان کا رشتہ:

علم کی ایک اور اہم خصوصیّت یہ ہے کہ وہ انسان کی منزل کھوٹی کرنے والا نہ ہو۔ وہ اسے شک' تذبذب' بے یقینی اور بے عملی تک نہ پہنچائے بلکہ ایمان کے راستے سے عمل تک اور پھر عمل کے راستے اطاعت' تقویٰ' احسان' ولایت اور قُربِ الٰہی کی منزل تک پہنچا دے۔ تو حقیقی علم وہی ہے جو ایمان سے رشتہ اُستوار کرے اور قُربِ الٰہی کی منزل تک پہنچا دے اور اس کے لئے دنیا میں تمام مادی وسائل کی معرفت عطا کرے اور انہیں اس مقصدِ عظیم کے لئے بُروئے کار لانے کے قابل بنا دے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اس علم کو علم ماننے سے انکار کیا گیا ہے جو گمان' شک اور تذبذب کی طرف لے جائے۔

دراصل علم بکھری ہوئی اور منتشر معلومات کے مجموعے کا نام نہیں ہے بلکہ علم' دینی معلومات اور دنیوی معلومات کے اِس مجموعہ کا نام ہے جو انسان کی پوری زندگی کا احاطہ کرے۔ انسان کو حقیقی انسان بنائے۔ علم بتانے کا نہیں بلکہ بنانے کا نام ہے۔ یہ تعمیرِ سیرت ہے۔ یہ اخلاقی تربیت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سعودی عرب میں وزارت تعلیم کا نام "وزارت تعلیم و تربیت ہے۔

سیکولرزم:

عالمِ اسلام اور خصوصاً پاکستان کی سب سے بڑی مشکل سیکولرزم ہے۔ سیکولرزم دین سے انکار کا نام نہیں ہے بلکہ سیکولرزم اس بات کا نام ہے کہ دین کو دنیا سے جدا کر دیا جائے۔ سیکولرزم یا لادینیت اس بات کا نام ہے کہ دو متوازی نظام تعلیم بنائے جائیں۔ ایک طرف جدید فلسفہ' جدید سائنسز پڑھائی جائیں اور طلبہ کو دینی معلومات اوّل تو دی ہی نہ جائیں اور اگر دی بھی جائیں تو اس انداز میں کہ ان دینی معلومات کو حاصل کرنے کے بعد وہ دین پر اعتراض کرنے کے قابل ہو جائیں اور ان کے دل میں دین اور اہلِ دین کے خلاف نفرت پیدا ہو جائے۔ سیکولرزم اور لادینیت اس بات کا نام ہے کہ بڑی بڑی لائبریریاں ہوں جو دینی کتابوں سے بھری ہوئی ہوں۔ بڑی بڑی اونچے میناروں والی مسجدیں ہوں' دینی مدارس ہوں' ضخیم دینی کتابیں پڑھائی جائیں' بہت محنت سے دین کا علم حاصل کیا جائے لیکن دین کے اس علم کو عملی زندگی سے دُور رکھا جائے۔ اس وقت پورا عالم اسلام سیکولرزم اور لادینیت کی گرفت میں ہے۔ ایک طرف دینی مدارس ہیں جہاں انتہائی محنت اور اخلاص کے ساتھ دینی علوم پڑھائے جاتے ہیں' لیکن جدید دنیاوی علوم نہیں پڑھائے

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



جاتے۔ دوسری طرف حکومت کی طرف سے سکول، کالجز اور یونیورسٹیاں ہیں، جہاں جدید سائنسی علوم پڑھائے جاتے ہیں لیکن دینی علوم کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی۔

اِستعماری نظامِ تعلیم

حقیقت یہ ہے کہ سیکولرزم کو عالمِ اسلام میں نافذ کر دینا انگریز اور فرانسیسی استعمار کی ضرورت تھی۔ وہ اس کے بغیر اپنی استعماری حکومت کو زیادہ دیر تک ان ممالک میں نہیں چلا سکتے تھے، ان کی اصل ضرورت یہ تھی کہ ان ممالک میں اور خصوصاً ہندوستان میں ایسے افراد کی کھیپ تیار کی جائے، جو اپنی قوم سے بیگانہ اور انگریزی استعمار کے وفادار ہوں۔ جن کا کوئی ضمیر اور کوئی اخلاق نہ ہو۔ دوسری بات یہ کہ انہیں پہلی سے لے کر آخری جماعت تک کوئی پیشہ ورانہ تعلیم نہ دی جائے تاکہ جونہی وہ میٹرک، ایف اے، بی اے یا ایم اے سے فارغ ہوں تو ان کی نظر سوائے حکومتی ملازمت کے اور کسی طرف نہ جا سکے۔

برطانوی استعمار جب ہندوستان میں آیا تو اس کے پاس انتظامیہ فوج اور پولیس کے لئے افرادی قوّت موجود نہ تھی۔ ہندوستان میں حکومت کرنے کے لئے اسے ہندوستان میں سے ہی کَل پُرزے درکار تھے اور وہ ایسے لوگ ہو سکتے تھے جو اپنی قوم کی بجائے برطانوی استعمار کے وفادار ہوں۔ ایسے افراد کی ایک بہت بڑی تعداد تیار کرنے کے لئے اس نے ایک خاص نظامِ تعلیم وضع کیا جس کے ذریعے اس نے یہاں کے لوگوں کو علمی اور عملی طور پر ان کے ماضی سے کاٹ کر رکھ دیا اور لادین اور بے ضمیر افراد کی ایک کھیپ تیار کی جو انگریز کے اشارے پر اپنی ہی قوم

میزبانی، پختون ولی، میں رچی ہوئی ہے۔ یہاں، وادی کرم میں، ہماری ایک حجرہ (مردان خانہ) میں تواضع کی جا رہی ہے۔ درمیان میں بیٹھا ہوا بزرگ میرا میزبان ہے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

کے بھائیوں اور بزرگوں کو بیڑیاں پہنا سکے اور گولیوں کا نشانہ بنا سکے۔ دیکھ لیجئے کہ انگریز نے تعلیم کا یہ سیکولر نظام خود اپنے ملک میں رائج نہیں کیا۔

دوسری طرف استعمار کی کرم نوازی یہ تھی کہ اس نے علماء اور دینی افراد پر حکومتی سرپرستی کے تمام دروازے بند کر دیئے۔ دینی مدارس اور دینی اداروں کی املاک ضبط کر لیں۔ اہلِ دین اور اہلِ علم کے لئے تجارت و ملازمت کے دروازے بند کر دیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علماء کو دین اور عقائد کے دفاع کے لئے کونوں کھدروں میں چھپنا پڑا اور ایسی ایسی جگہوں پر دینی مدارس قائم کرنا پڑے جہاں حکومت کی نظر نہ پہنچ سکے۔ ایسی صورت میں سوائے بنیادی عقائد کے اور کچھ پڑھانا ان کے بس میں ہی نہ تھا۔ آزادی کے بعد اس نظام کو ختم ہو جانا چاہئے تھا۔ دینی مدارس کو پھر سے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا درجہ حاصل کرنا چاہئے تھا۔ کمشن پر کمشن آتے رہے، تعلیمی رپورٹوں پہ رپورٹیں شائع ہوتی رہیں، لیکن کسی پہ بھی عمل نہ ہو سکا۔

اس وقت بھی ملک میں دو متوازی نظام چل رہے ہیں۔ یہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ نبرد آزما ہیں۔

سقوطِ مشرقی پاکستان

ہمارے نظامِ تعلیم میں یہ بنیادی کمزوری ہے کہ یہ ہمیں ہماری پہچان نہیں دیتا۔ ہمارا دینی و ملّی تشخّص نہیں دیتا۔ ہمیں قومی وحدت نہیں دیتا۔ ہمیں دینی و اخلاقی اقدار نہیں دیتا۔ اس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مشرقی پاکستان میں ہندو اساتذہ نے ہمارے مسلمان بچوں کو اپنے دھڑ سے جُدا ہونے کے لئے تیار کر دیا اور یہ مشرقی پاکستان کے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم کا ہی نتیجہ تھا کہ وہاں کے مسلمان مغربی پاکستان کے مسلمانوں کا گلا کاٹنے پر تیار ہو گئے اور ہمارا ایک بازو ہم سے کٹ گیا۔

قومی ترقی کی اصل بنیاد

کسی قوم و ملک کی مادی و معنوی ترقی کا دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ اس قوم کے افراد اپنے ملک کے بنیادی نظریہ کو دل و جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہوں، اس کے وفادار ہوں اور ان کی پوری زندگی اس کے رنگ میں رنگی ہوئی ہو۔ اس کے بغیر پوری قوم منافقین پر مشتمل ہو گی اور اس دنیا میں ترقی نہیں کر سکے گی۔

یہ پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ یہاں پر اِستعماری نظامِ تعلیم کو جاری رکھ کر ایسی قوم وجود میں لائی گئی جس کی اپنی پہچان ہی موجود نہیں، جو دو قومی نظریہ کو فراموش کر چکی ہے اور اسلام کے ساتھ اس کی وابستگی صرف الفاظ کی حد تک باقی رہ گئی ہے۔ اس ملک میں اسلامی نظام کے نہ آسکنے اور مادی طور پر پسماندہ رہ جانے کا اصل سبب یہی ہے۔

ذرا غور سے دیکھئے یہ ہمارے چشم و چراغ ہی ہیں جن میں سے کچھ لوگ ہیروئن کلچر، دہشت گردی اور ڈاکہ زنی میں ملوث پائے جاتے ہیں۔ میں انہیں قصوروار نہیں ٹھہراتا، اس کے ذمہ دار ہم اور ہماری حکومتیں ہیں۔ جنہوں نے سینتالیس سال تک انہیں اسلامی نظام، اسلامی نصابِ تعلیم اور نظریۂ پاکستان سے محروم رکھا۔

اہم ترین مسئلہ

اسلام جس وقت ایک غالب تہذیبی اور سیاسی قوّت تھی، اسے اپنے مقصد کے افراد دینی مدارس سے ملتے تھے۔ ان مدارس کے نصاب میں جہاں اسلامی عقائد اور معاشرت سے متعلق علوم پڑھائے جاتے تھے وہیں مدارس کے اندر اور باہر ایسے افراد موجود تھے جو دنیاوی علوم و فنون کے ماہر ہوتے تھے اور یہ علوم نوجوان نسل کو منتقل کرتے تھے۔ ہندوستان میں انگریزوں کے سیاسی غلبے کے بعد دینی مدارس کسمپُرسی کا شکار ہو گئے اور ان کی ایک بڑی تعداد صفحۂ ہستی سے مٹ گئی۔ باقی رہنے والے مدارس نے اپنے نصاب کو دینی علوم کی تدریس تک محدود کر لیا اور صورت یہ بنی کہ جدید انداز کی تعلیم حاصل کرنے والے افراد اگر قومی مسائل سے واقف بھی تھے تو ان کے پاس ان مسائل کا اسلامی حل موجود نہ تھا۔ دوسری طرف دینی مدارس کے پڑھے ہوئے افراد جو قرآن اور حدیث کی روشنی میں ان مسائل کا حل پیش کر سکتے تھے، مسائل کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ گویا جس کو مرض کا علم تھا اس کے پاس

سامنے۔ بچپن ہی سے پٹھان بچوں کو غیرت اور بہادری کی اہمیت بتائی جاتی ہے۔ کچھ لڑکوں کو اپنے باپ کی دولت۔۔۔ یا اس کی بے وقت موت کی وجہ سے اوائل عمری ہی میں بندوق مل جاتی ہے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

دوا نہ تھی اور جس کے پاس دوا تھی وہ مرض پہچاننے سے قاصر تھا۔ اب علاج ہوتا تو کیوں کر، یعنی قومی مسائل حل ہوتے تو کیسے ہوتے۔

وقت کی اہم ترین ضرورت

اس صورتِ حال میں وقت کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ دینی اور دُنیوی علوم کے الگ الگ بہتے ہوئے دھاروں کو متوازن انداز میں

اس طرح یکجا کیا جائے کہ نئے نظامِ تعلیم کے تحت تیار ہونے والی نسل ایک طرف دینی علوم سے واقف اور اسلامی سیرت و کردار کا اعلیٰ نمونہ ہو اور دوسری طرف دنیاوی علوم و فنون پر اس حد تک دسترس رکھتی ہو کہ سائنس، ٹیکنالوجی اور تجارت و زراعت وغیرہ کے میدانوں میں ترقی یافتہ ممالک کے شانہ بشانہ کھڑی ہو سکے۔

مذہبی جوش و جذبہ

قبائلی پٹھان قرآن کی ہر ہدایت پر بڑی شدّت سے عمل کرتا ہے۔ سکاؤٹس اور خاصداروں پر مشتمل ہمارا دستہ، جب بھی نماز کا وقت ہوتا، رُکنے پر اصرار کرتا۔

لا دِین تو ہے زہرِ ہلاہل سے بھی بڑھ کر
ہو دِیں کی حفاظت میں تو ہر زہر ہے تریاق

کسی پٹھان کے عیسائی ہو جانے کی صرف ایک مثال ہے۔ یہ واقعہ برطانوی راج کے دوران پیش آیا تھا جب ایک مشنری نے بنّوں میں ایک نوجوان پٹھان کو عیسائی بنایا۔ جب لڑکے کے باپ کو پتہ چلا تو وہ اس قدر طیش میں آیا کہ وہ بنّوں گیا اور وہاں مشنری کو قتل کر دیا۔

اس قدر سخت ماحول میں رہنے کی وجہ سے اسلام پر مکمل اعتقاد کی بنا پر پٹھان قطعی طور پر جبریت پرست ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دنیا ایک عارضی مقام ہے، جہاں اگر ایک صحیح مسلمان کے طور پر رہا جائے، تو فکر کی کوئی بات نہیں اس کے علاوہ، وہ اسلام کے اس مقولے پر بھی عمل کرتے ہیں، "اگر تم آدمی سے ڈرو گے تو اس کا مطلب ہے کہ تمہارے دل میں خدا کا رُعب نہیں ہے (یعنی خدا پر اعتقاد نہیں ہے) اور تمہارا خدا پر ایمان ہے، تو تم آدمی سے نہیں ڈرو گے۔" اپنے عقائد کی مضبوطی کی بنا پر، پٹھان، جنگوں میں برگزیدہ ہستیوں کی تقلید کرتے ہیں۔ دنیا میں کہیں بھی اس قدر مُلّا، پیر اور فقیر جنگ میں سب سے اگلی صفوں میں نظر نہیں آئیں گے جتنے یہاں۔ میری نانی کے اجداد پیر روشن سے لیکر فقیرِ ایپی تک مذہبی لوگوں نے ناانصافی اور اپنی آزادی کے تحفظ کے لئے جنگوں میں قبائلیوں کی قیادت کی ہے۔

اب بھی، مجاہدین کی فتح کے بعد، نئی افغان حکومت کٹّر اسلامی ہے۔ جب میں پڑھتا ہوں کہ گلبدین حکمت یار بنیاد پرست اور افغان مجاہدین کے باغی گروہوں کے لوگ معتدل ہیں، تو میں حیران ہوتا ہوں، کہ آیا کسی نے معتدل گروہوں کے خیالات جاننے کی کوشش بھی کی ہے۔ قبائلی علاقہ جات میں اپنے سفر کے تجربے کی بنا پر میں یہی کہہ سکتا ہوں کہ تمام پٹھان کٹّر مسلمان اور انتہائی مذہبی ہوتے ہیں۔

قبائلی علاقہ جات میں میرا پہلا سفر اتفاق سے ماہ رمضان کے دوران تھا۔ میرے کزن سہیل خان کو جسے معدے کا اُلسر تھا اور اس وجہ سے ڈاکٹر نے اس کو ہدایت کی تھی کہ وہ باقاعدگی سے کھاتا پیتا رہے، اس کے لئے یہ ناممکن تھا کہ طلوعِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک وہ کھانے پینے کی کوئی شے حاصل کر سکے۔ وہ کسی سے اگر ایسا کہتا بھی، تو اسے شدید پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا، کیونکہ پٹھان نفسیات اس بات کو سمجھ ہی نہیں سکتی کہ ڈاکٹر کسی کو روزہ رکھنے سے منع بھی کر سکتا ہے۔ اگرچہ قرآن نے مسلمانوں کو یہ آسانی دی ہے کہ اگر وہ بیمار ہوں یا سفر میں ہوں، تو وہ روزہ چھوڑ سکتے ہیں، قبائلی پٹھان سمجھتے ہیں کہ اس قانون کا اطلاق صرف انتہائی بیمار و لاچار پر ہوتا ہے۔ چنانچہ بے چارہ سہیل خان ہمارے ساتھ روزہ رکھنے پر مجبور ہو گیا۔ (جس دوران ہم لمبے سفر طے کر رہے تھے) یہ اس کے لئے بڑی آزمائش تھی، سہ پہر کے بعد پرویز خان بے کار ہو جاتا۔ تصویروں پر اپنی توجہ مرتکز کرنے کی بجائے، اکثر اوقات میں اسے اُونگھتا ہُوا پاتا۔ میں بار بار اسے پاویندوں کی مثال دیتا، جو گرم دنوں میں بھی، روزہ کے ساتھ سارا دن چلتے رہتے ہیں۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



سماجی تحفّظ کا نظام

قبائلی زندگی کے شاندار ترین پہلوؤں میں سے ایک اس کا سماجی تحفّظ کا نظام ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف مسلسل نبرد آزما رہنے کے باوجود پٹھان ضرورت کے وقت ہمیشہ اپنے ساتھی قبائلی کی مدد کو آتے ہیں۔ وزیرستان کی طرف جاتے ہوئے راستے میں مجھے اس بات کا براہِ راست تجربہ ہوا کہ قبائلی پٹھان ایک دوسرے کی مدد کے لئے کس حد تک چلے جاتے ہیں۔ ایک نالہ عبور کرتے وقت ہماری جیپ اس میں پھنس گئی، کچھ پانی انجن میں چلا گیا تھا اگر ایک ٹرک وہاں سے نہ گذرتا، تو نجانے کب تک ہم وہیں پھنسے رہتے۔ میرے ساتھی دوست محمد کی طرح، اس کے ڈرائیور بھی محسود تھے۔ اور جونہی انہیں اس بات کا پتہ چلا، انہوں نے ہماری مدد کرنا شروع کر دی۔ جس حد تک انہوں نے ہمارا ساتھ دیا، اس نے مجھے حیران کر دیا۔ وہ گھنٹوں انجن کا معائنہ کرتے رہے، اور پھر بالآخر وہ جیپ کو باہر نکالنے کے لئے کچھ رسّے لیکر آئے۔ اس کے بعد تقریباً پچاس کلومیٹر دُور، ٹونک کے قصبے تک وہ ہماری جیپ کو ٹرک کے ساتھ باندھ کر لائے، جہاں ہم نے جیپ کی مرمّت کروائی۔

یہ نظام اس وقت بھی مؤثّر رہتا ہے، جب قبائلی، قبائلی علاقہ جات کو چھوڑتے ہیں۔ مثلاً دوست محمد نے مجھے بتایا کہ جب محسود کراچی یا مشرق وسطیٰ جیسے علاقوں میں جاتے ہیں۔ تو وہاں پر پہلے سے رہنے والے محسود کس طرح ان کی مدد کرتے ہیں۔ جب تک وہ اپنے لئے کوئی ملازمت ڈھونڈ کر اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہو جاتے۔ وہ انہیں خوراک اور رہائش مہیّا کرتے ہیں اور ان کا ایسے لوگوں سے رابطہ کروایا جاتا ہے جو انہیں ملازمت دلوانے میں مدد دے سکیں۔

ایک بار کراچی میں، مَیں ایک قبائلی محسود سے ملا جو وہاں ایک دکان چلا رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اسے رکن حالات میں قبائلی علاقہ

پٹھان پکے مسلمان ہیں۔ یہ لوگ نماز پڑھ رہے ہیں جبکہ قریب ہی بچے کھیل رہے ہیں۔ جس دوران عورتیں کام کر رہی ہوتی ہیں مرد بچوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ دیکھیں اسلحہ کبھی بھی ان کی پہنچ سے دور نہیں ہوتا۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

جات کو چھوڑنا پڑا اور اس نے رہنے کے لئے کراچی ہی کو کیوں منتخب کیا۔ اس نے بتایا کہ وہ ایک بڑے کنبے کا ایک کم عمر فرد تھا۔ خاندان کے وسائل اتنے نہیں تھے کہ ان سے سب افراد آرام دہ زندگی گذار سکتے۔ میں نے کام کی تلاش میں اپنا علاقہ چھوڑ دیا۔ مگر اس کے پاس کراچی تک ٹرین کا ٹکٹ خریدنے کے لئے پیسے بھی نہیں تھے۔ وہ بغیر ٹکٹ ٹرین پر سوار ہو گیا۔ دو بار اسے باہر دھکیلا گیا' اور آخر میں ٹکٹ انسپکٹر سے لڑائی کرنے کی بنا پر اسے جیل بھیج دیا گیا۔ رہا ہونے پر پھر ٹرین پر سوار ہو گیا' اور بالآخر کراچی پہنچ گیا۔ شروع میں وہ صرف سخت جسمانی مشقّت کا کام ہی حاصل کر سکا۔ جس کا معاوضہ اس قدر کم تھا کہ اس سے مشکل ہی سے پیٹ بھرتا۔ کوئی دو ہفتوں بعد' اس نے اس قدر اردو سیکھ لی جس سے وہ گذارا کر سکے اور نوے لاکھ آبادی کے اس پھیلے ہوئے شہر میں اپنا مقدّر آزما سکے۔ اتفاق سے اس کی ملاقات دو وزیری قبائلیوں سے ہو گئی' جو بس ڈرائیور کے طور پر کام کرتے تھے۔ انہوں نے فوراً ہی کراچی میں بسنے والے پٹھان بھائیوں سے اس کا تعارف کروا دیا۔ جنہوں نے اسے ایک سودمند ملازمت دلوا دی اور اس وقت تک اسے اپنے ساتھ رکھا جب تک کہ اس کے پاس اتنا پیسہ نہیں ہو گیا کہ وہ خود اپنی رہائش کا بندوبست کر سکے۔ ایک سال بعد' اس نے اپنے دو بھائیوں کو بھی وہیں بلوا لیا' اور انہوں نے اپنے ساتھی قبائلیوں کی مدد سے اپنا کاروبار شروع کر دیا۔

ان دنوں کراچی میں پٹھانوں کی آبادی بیس لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے۔ جو پاکستان کے کسی بھی شہر سے زیادہ ہے۔ قبائلیوں کی پہل کاری قابلِ ستائش ہے۔ کچھ ہی سالوں میں سخت ترین جسمانی مشقت کے کام سے وہ تجارت میں داخل ہو چکے ہیں۔ کراچی اور درحقیقت' پاکستان کے بیشتر علاقوں میں ٹرانسپورٹ کی صنعت قبائلیوں کے ہاتھ میں ہے۔

اس قبائلی محسود کے مطابق' جب میں کراچی پہنچا' تو شہری لوگ اسے بہت سادہ لوح سمجھتے تھے۔ بعد ازاں اسے احساس ہوا کہ' قبائلی علاقہ جات کی عمومی خصوصیات یعنی بے باکی اور صاف گوئی کو شہر میں ذہانت کی کمی سمجھا جاتا ہے۔ زبان کا فرق اس پر مستزاد (پٹھان زیادہ تر پشتو بولتے ہیں' جبکہ یہاں کے شہری اردو بولتے ہیں) چنانچہ قبائلیوں کو اس بات پر راضی رہنا پڑتا ہے کہ اس کے بنیادی کردار کی تفہیم صحیح طور پر ممکن نہیں۔

یوں بھی قبائلی اقدار کے بغیر۔ کچھ عرصے تک وہ شہری زندگی میں سخت الجھن میں وقت گزارتے ہیں۔ اگرچہ قبائلی علاقہ جات میں جھوٹ بولنا نہایت شرم کا مقام سمجھا جاتا ہے۔ شہر میں پٹھانوں کو اپنے اردگرد ہر جگہ دھوکے اور جرائم کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ کہ یہاں' ٹیکس' کسٹم' حکومت کے مختلف نظام' اور پولیس کے بددیانت سپاہی ہوتے ہیں۔ ان میں سے کسی سے بھی انکا پہلے واسطہ نہیں پڑا ہوتا۔ کچھ اس صورتحال کو قبول نہیں کر سکتے اور جُرم پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ لڑائی پٹھانوں کی فِطرت میں ہے اور کوئی بھی قبائلی دستور ایسا نہیں ہے جو انہیں اس سے باز رکھ سکے۔ شہری زندگی میں اپنے ابتدائی تجربے کے دوران انہیں اپنے قبائلی ساتھیوں کی مدد حاصل نہ ہو تو وہ بہت دِگرگُوں حالات کا شکار ہو جائیں۔ تعاون کا یہ سلسلہ صرف کراچی میں ہی نہیں' بلکہ دوسرے شہروں میں بھی مؤثّر رہتا ہے۔ مثلاً جب میرے اپنے قبیلے نیازی کے لوگ لاہور آئے' تو ان کے ساتھی قبائلیوں نے ہمیشہ ملازمت ڈھونڈنے میں ان کی مدد کی۔ ۱۹۵۰ء اور ۶۰ء کی دہائیوں میں' کچھ نیازی خاندانوں کو لاہور میں بسانے میں' میرے والد نے بھی بنیادی کردار ادا کیا۔

بے غرضی اور عملّیت پسندی

اگرچہ پٹھانوں کے نزدیک عزّتِ نفس سب سے زیادہ اہم ہے' اس میں ایک عملّیت پسندی کا بھی گہرا ادراک موجود ہے۔ ان خصوصیات کا یہ غیر معمولی سنگم' یوسف زئیوں میں ۱۹۳۰ء کی دہائی تک موجود ایک دستور میں خاص طور پر نمایاں تھا (اگرچہ انیسویں صدی کے وسط سے یہ کم ہوتا جا رہا ہے) وہ اپنی سپاہیانہ صلاحیّتوں اور جفاکشی کو برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ ایمانداری کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے تھے۔ اپنے زرخیز علاقوں میں ایک دوسرے کو شریک کرتے تھے۔ ہر پانچ سال بعد قبیلے کے وہ افراد جن کے پاس نشیبی زرخیز علاقے ہوتے تھے۔ وہ یہ علاقے قبیلے کے ان افراد کو دے دیتے جو سخت بالائی علاقوں پر گذارا کر رہے ہوتے

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

تھے۔ میرے علم میں نہیں کہ دنیا میں کسی بھی اور جگہ ایسے دستور کی کوئی مثال موجود ہے۔ یہ عمل پسندی اور بے غرضی کا ایک غیر معمولی اشتراک تھا۔

پٹھانوں میں کرکٹ

جب میں نے قبائلی علاقہ جات میں کرکٹ میچ دیکھے تو ان کی مقابلہ پسندی نے مجھے لاہور میں اپنے گھر زمان پارک کی یاد دلا دی۔ شہر کے اس علاقہ کا نام جہاں میں اور میرے کزن پلے بڑھے، میرے نانا کے بھائی احمد زمان کے نام پر رکھا گیا تھا۔ اگرچہ زمان پارک میں صرف دس کے قریب ہی گھر تھے، مگر یہاں کھیلوں کا معیار غیر معمولی تھا۔ چاہے کرکٹ کھیلی جا رہی ہو یا نہ ہو۔ جارحیت اور مقابلہ بازی اس قدر شدید ہوتی کہ کوئی کھیل بھی ایسا نہ ہوتا جو دنگے فساد کی نذر نہ ہو جائے۔ اگر ہم باہر کے لوگوں سے ایک ٹیم کی حیثیت سے کھیلتے، تو یہ کسی جنگ سے کم کا نقشہ نہ ہوتا۔

مجھے یاد ہے کہ ایک بار دوسرے کلبوں نے ہمارے ساتھ ہاکی کھیلنا اس لئے بند کر دی کہ ہمیں بہت زیادہ لڑاکا سمجھا جانے لگا تھا۔ اگرچہ ہم اس بات کی کوشش کرتے کہ اپنے آپ پر قابو رکھیں اور دوسری ٹیموں کے ساتھ شائستگی سے پیش آئیں تاکہ وہ ہمارے ساتھ کھیلیں، ہم میں سے کوئی نہ کوئی شخص مشتعل ہو جاتا اور یوں ہمارا تاثر تباہ کر دیتا۔ میرے ایک چچا خاص طور پر جارحیت پسند تھے۔ ان کی عمر پینتالیس سال سے زیادہ تھی اور وہ اتنے پھرتیلے نہیں رہے تھے، چنانچہ جب کبھی کوئی نوجوان ان سے آگے نکل جاتا، میرے چچا اسے جسمانی طور پر گزند پہنچانے پر کمربستہ ہو جاتے۔ آخر میں ہمیں ان سے درخواست کرنا پڑتی کہ وہ درگذر کریں۔

کرکٹ کا معاملہ کچھ مختلف تھا کیونکہ اس میں کوئی جسمانی رابطہ نہ تھا، تو جارحیت پسندی جیتنے کے عزم میں تبدیل ہو جاتی۔ اسی وجہ سے ہمارے چھوٹے سے علاقے نے غیر معمولی کھلاڑی پیدا کئے۔ میری والدہ کے فرسٹ کزن نیاز خان کی قیادت میں پاکستانی ٹیم (پچاس کی دہائی) نے اولمپک جیتا۔ ان کے بھائی نے قومی سطح پر کرکٹ اور ہاکی دونوں کو کھیلا۔ اور ان کی دو بہنوں کے بیٹے پاکستانی کرکٹ ٹیم کے کپتان بنے۔ ان کی بہن کے شوہر نے اولمپکس میں جیولن پھینکنے میں حصہ لینے کے ساتھ ساتھ ہندوستان کے لئے کرکٹ بھی کھیلی۔

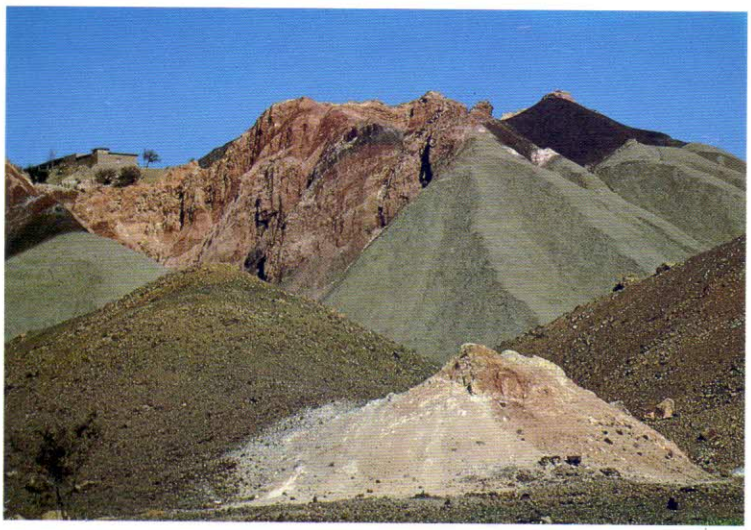
میں سمجھتا ہوں کہ اگر قبائلی پٹھانوں کی مقابلہ پسندی کو کسی طرح کھیلوں میں استعمال کیا جائے، تو ان میں غیر معمولی کھلاڑی جنم لے سکتے ہیں۔ نہ صرف یہ کہ وہ انتہائی چاق و چوبند ہوتے ہیں، ان میں پیدائشی طور پر ایک معرکہ آراء رُوح موجود ہوتی ہے۔ میں قبائلی علاقہ جات میں ایک ٹیلنٹ ہنٹ سکیم (قابلیت ڈھونڈو منصوبہ) قائم کرنے کی کوشش کر رہا ہوں، تاکہ کسی بھی غیر معمولی کھلاڑی کو پاکستانی کرکٹ ٹیم میں لایا جا سکے۔

۱۹۸۰ء کی دہائی کے شروع ہی سے ٹیلی وژن کی وجہ سے کرکٹ قبائلی علاقہ جات میں متعارف ہو چکی تھی۔ میں نے یہاں جن لڑکوں کو کرکٹ کھیلتے دیکھا وہ بے پناہ خوبیوں کے مالک تھے۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ محض ٹیلی وژن دیکھ دیکھ کر انہوں نے کس خوبی سے بلّے بازی اور باؤلنگ کی تکنیک سیکھ لی۔ قبائلی علاقہ جات میں جہاں کہیں بھی کوئی موزوں ہموار علاقہ موجود تھا، کوئی بھی شے جو گیند یا بلّے سے مشابہ ہوتی، اس سے کرکٹ کھیلی جا رہی تھی۔

PTI Karak [OFFICIAL]
Sadiq Amin Baaghi
FB.COM/PK332
www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

باب دوئم

جنوبی قبائلی پٹی



قبائلی علاقہ جات کا بنجر ترین علاقہ' قبائلی علاقہ جات کے سب سے جنوب میں واقع وزیرستان کا علاقہ ہے' جہاں سے میں نے اپنے سفر کا آغاز کیا۔ علاقہ ناموافق ہے اور اس کی وجہ سے یہاں کے باشندے سخت جان اور جارح فطرت کے مالک ہیں۔ محسوداور وزیری' علاقے کے دو بڑے قبائل ہیں اور دونوں اپنی جنگجویانہ صلاحیتوں کی بنا پر مشہور ہیں۔ زیادہ وقت وہ ایک دوسرے کے خلاف ہی لڑتے رہتے ہیں' مگر جب کبھی انہیں کسی مشترکہ دشمن کا سامنا ہو' وہ اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ برطانوی راج کے زمانے میں' ان دو قبائل نے آفریدیوں (جو زیادہ تر خیبرایجنسی میں آباد ہیں) کے ساتھ مل کر پورے برّصغیر کی نسبت انگریزوں کو زیادہ زچ کیا۔ ۱۸۹۳ء تک ڈیورنڈ معاہدہ پر دستخط سے قبل وزیرستان برطانوی حکومت کے زیرِ انتظام نہیں آیا اور آزادی سے قبل بقیہ نصف صدی' برطانوی فوجیں مسلسل وزیری قبائل سے نبرد آزما رہیں جنہوں نے

*****

(FB GROUP)
PTI Karak [OFFICIAL]
(FB PAGE)
www.facebook.com/PK322
F.B.Com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

برطانوی تسلّط کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جنگِ عظیم اوّل کے کچھ عرصہ بعد برطانوی انڈین آرمی کی نصف افواج وزیرستان آپریشن کے ایک مرحلے پر یہاں کی بغاوتوں سے نبٹنے کے لئے برسرِپیکار تھیں۔ قبائلی علاقہ جات کے کسی اور حصے نے اس جنگی سلسلے کا پانچواں حصہ بھی نہیں دیکھا۔ جو وزیرستان میں بپا رہا تھا۔

○

وزیریوں اور محسودوں کا تعلق پٹھانوں کی ایک مشترکہ شاخ کرلانی سے ہے۔ محسود، جو جنوبی وزیرستان کی آبادی کا دو تہائی حصہ ہیں، کے اردگرد شمال جنوب اور مغرب میں وزیری آباد ہیں۔ مشرق میں بٹانی رہتے ہیں۔ وزیرستان میں دوسرے چھوٹے چھوٹے قبائل میں دوتانی، سلیمان خیل اور میری والدہ کا قبیلہ برکی شامل ہیں۔ وزیرستان درحقیقت دو ایجنسیوں، شمالی وزیرستان اور جنوبی وزیرستان میں تقسیم ہے۔

○

جونہی ہم ٹونک سے گذر کر جنوبی وزیرستان میں داخل ہوئے، یوں لگا جیسے وقت پیچھے کی طرف سفر کر رہا ہے۔ بہار کا آغاز تھا، اور وہاں پاوِیندوں (خانہ بدوش پٹھان) کے کارواں تھے جو پاکستان کے زیریں علاقوں سے واپس زر میلان کے علاقے کی طرف جا رہے تھے۔ اُونٹوں، بکریوں اور کُتّوں کو لے جاتے ہوئے، مسلّح مردوں اور خوبصورت رنگوں میں ملبوس عورتوں کا یہ منظر قابلِ دید تھا۔

منزئی چھاؤنی

جلد ہی ہم انگریزوں کی تعمیر کردہ منزئی چھاؤنی پہنچ گئے جہاں پر جنوبی وزیرستان کے سکاؤٹس متعیّن ہیں۔ کئی برسوں پر محیط، بے پناہ معرکہ آرائی کی رزم گاہ، اپنی بیرونی دیوار اور گن ٹاور کے ساتھ تاریخ کے مختلف واقعات سنا رہی تھی۔ قلعہ کے اندر، اچھی طرح منصوبہ بندی سے کیا گیا بندوبست تھا، جو وزیرستان میں پہلا مقام تھا جہاں انگریزوں نے اپنے قدم جمائے۔ اس میں سکواش کورٹ، فٹ بال گراؤنڈ، ڈیئری فارم، برف کی فیکٹری، ایک ہسپتال اور یہاں تک کہ بال روم سمیت ہر طرح کی سہولتیں میسّر تھیں مگر اس میں سے اکثر عمارتیں اب کھنڈرات میں بدل چکی تھیں۔ چھاؤنی کے اردگرد نظر ڈالنے سے ایک شدید معاندانہ جذبے کا احساس ہوتا تھا۔ آزادی کے باوجود، ابھی بھی رات کو دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور کوئی شخص باہر نکلنے کی جرأت نہیں کرتا۔ انگریز راج کے دوران، وزیرستان کی اکثر چھاؤنیوں کی طرح قبائلی اکثر چُھپ کر ان پر گولیاں چلاتے تھے، یہ سلسلہ اکثر پوری رات جاری رہتا۔ شب خون کا یہ عمل شاید زیادہ جانی نقصان نہ کر پاتا ہو، مگر اس سے قبائلیوں کی انگریزوں کے خلاف مزاحمت کا اظہار ضرور ہوتا تھا۔

انگریز راج کے دوران منزئی میں رونما ہونے والا ایک واقعہ "سرپھرا پٹھان کردار" پر خوب روشنی ڈالتا ہے۔ انگریزوں نے فیصلہ کیا کہ چونکہ وزیرستان میں پائے جانے والے مویشی اتنے عمدہ نہیں ہیں، کیونکہ نہ تو یہ کافی مقدار میں دودھ دیتے ہیں اور نہ ہی ان سے زیادہ گوشت دستیاب ہوتا ہے، اس لئے انہوں نے مقامی گائیوں، بھینسوں کی نسل بہتر کرنے کے لئے ایک سکاٹش بیل منزئی میں درآمد کیا۔ جب علاقے میں یہ خبر پھیلی، تو ایک جرگے کا انعقاد کیا گیا۔ اس مسئلے پر تفصیل سے بحث ہوئی اور آخر میں یہ فیصلہ ہوا کہ کوئی بھی برطانوی بیل مقامی مویشیوں سے اختلاط نہیں کرے گا۔ اگلے روز انگریز کمانڈر یہ جان کر حیران رہ گیا کہ بیل گولیوں سے چھلنی، مردہ پایا گیا ہے۔

منزئی کے علاقے میں بٹانی قبیلہ آباد ہے۔ مجموعی طور پر وہ

صفحہ نمبر46: ایک قبائلی محسود۔ محسود سب پٹھانوں میں سب سے زیادہ تند خو ہیں۔

صفحہ نمبر47: جنوبی وزیرستان کا بے آب وگیاہ علاقہ، قبائلی علاقہ جات میں سب سے کٹھن علاقہ ہے۔

www.facebook.com/PK322

www.freepdfpost.blogspot.com

انگریزوں کے اتحادی تھے' کیونکہ انہیں زیادہ جنگجو اور طاقتور محسود قبائل سے تحفظ درکار تھا۔ تاہم اکثر اوقات انگریزوں کے خلاف ان کی چھپی ہوئی نفرت ظاہر ہو جاتی۔ کچھ بھی ہو' انگریز حملہ آور تھے' اور غیر مسلم تھے۔ جبکہ بٹانی پٹھان خود پر کسی کی حکمرانی سے سخت نالاں تھے۔ ۱۸۶۰ء میں ایک واقعہ ایسا ہوا' جب محسودوں نے ٹونک پر حملہ کیا مگر بٹانی لُوٹ مار میں شریک ہو گئے۔ پھر بھی' انگریز مُہم جُو افواج بٹانیوں کو بآسانی مطیع کرنے کی اہل تھیں' کیونکہ ایک تو انہیں کوئی پناہ گاہیں حاصل نہیں تھیں۔ دوسرے برطانویوں کو حاصل عظیم تکنیکی برتری سے یہ ایک بالکل ہی نامساوی مقابلہ تھا۔ یوں بھی' بٹانی نسبتاً ایک چھوٹا قبیلہ تھا اور انہیں شاذ ہی محسودوں کی مدد حاصل ہوتی تھی۔

○

میرے یہاں پہنچنے سے ذرا پہلے' منزئی چھاؤنی میں ایک بغاوت ہو چکی تھی۔ وہاں تعینات سکاؤٹوں نے ایک افسر کے خلاف بغاوت کی تھی جس نے ایک جونیئر افسر کو گولی مار دی تھی' اس کے خیال میں اس نے اس کی توہین کی تھی۔ اسی بغاوت میں' افسر پر اس کے آدمیوں نے حملہ کر دیا تھا۔ اور وہ آفیسرز میس میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا تھا' اس پر حملہ کرنے والے دو آدمی مارے گئے تھے۔ بالآخر ٹونک سے مزید کمک پہنچی جس نے اس کی گلُو خلاصی کروائی۔ جب میں وہاں تھا' تو اس بارے میں تحقیقات جاری تھیں کہ اصل قصوروار کونسی پارٹی ہے۔

(FB GROUP)
PTI Karak [OFFICIAL]
(FB PAGE)
F.b.com/PK322

****

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

قبائل نے آپس میں ایک معاہدہ کیا ہے کہ اُن میں غیر خوفناک لڑائی کے دوران راکٹ لانچر اور اینٹی ایئر کرافٹ گنیں استعمال نہیں کی جائیں گی۔ یہ ایک اور مثال ہے جو پٹھانوں کی خود تحفظی کی خوبی کو ظاہر کرتی ہے۔ اس حقیقت کا ادراک کرتے ہوئے کہ ان کی جنگجویانہ فطرت، جلد یا بدیر، کسی جھگڑے کا باعث بنے گی، مگر چونکہ بلا رکاوٹ لڑائی ان کے لئے شدید تباہی کا باعث بنے گی، انہوں نے اس مصلحت کو قبول کر لیا کہ لڑائی کچھ اصولوں کے تحت لڑی جائے۔ جو کوئی بھی اس قانون کو توڑے گا، اسے جرگے کے عتاب کا نشانہ بننا پڑے گا۔

○

وحشت ناک علاقے میں

جب ہم کوہ سلیمان کے سلسلے سے گزرے تو مجھے یوں لگا جیسے ہم کسی وحشت ناک علاقہ میں داخل ہو چکے ہیں۔ محسود علاقے سے پہلے مناسب آبادی والا رقبہ 'جنڈولہ' ہے۔ یہ ایک پھیلی ہوئی منڈی ہے۔ بازار میں ہم نے وہاں ہر طرح کے جنگجو، کُھردرے اور وجیہہ لوگ دیکھے، جب کبھی بھی میں قصبے سے گزرتا تو وہاں رلے جلے مسلّح پاویندے، محسود اور بٹانی دکھائی دیتے۔ ۱۹۱۹ء میں فضل دین کی قیادت میں محسودوں نے جنڈولہ کے قلعے پر قبضہ کر لیا۔ جو کچھ دیر انکے زیرِ انتظام رہا، بعد ازاں سکاؤٹس نے اس کو دوبارہ حاصل کر لیا۔

جنڈولہ سے آگے محسودوں کا علاقہ ہے۔ یہاں سارے گھر قلعہ نما ہیں۔ جن کی بیرونی دیواریں بہت اونچی ہیں اور اس میں گن ٹاور بنے ہوئے ہیں۔ تاہم اسلحہ سازی کی تکنیک اس قدر سُرعت سے بہتر ہوتی جا رہی ہے کہ اب یہ گن ٹاور بے فائدہ ہو گئے ہیں۔ آج کل اکثر قبائلی شاخوں کے پاس راکٹ لانچر اور اینٹی ایئر کرافٹ گنیں ہیں اور تقریباً ہر ایک کے پاس ایک کلاشنکوف رائفل ہوتی ہے۔ مجھے بتایا گیا کہ کچھ

محسود قبائل، وانا کی طرف جانے والی سڑک کے ساتھ ساتھ پھیلے ہوئے ہیں۔ وادیوں میں کھیتی باڑی کی گئی ہے جبکہ سطح زمین پہاڑی اور دُشوار ہے۔ محسودوں کے سخت کوش قبیلہ ہونے کی وجہ صاف ظاہر ہے۔ اس خشک آب و ہوا میں صرف سخت جان لوگ ہی زندہ رہ سکتے ہیں۔ کسی ممکنہ فاتح کے لئے بھی یہ بہت سخت علاقہ ہے، کیونکہ چٹانوں کی اوٹ چھُپ کر حملہ کرنے والوں کے لئے خاصی محفوظ جگہ ثابت ہوتی ہے۔ ہم SHAHUR TANGI GORGE سے گذرے، جہاں ۱۹۳۷ء میں ایک برطانوی بریگیڈ پر حملہ کیا گیا تھا، جس میں سے بہت تھوڑے انگریز ہی جان بچانے میں کامیاب ہو سکے تھے۔ ایک زندہ بچ جانے والے نے وانا کے سکاؤٹس کمانڈر، رحم زاد خان کو بتایا تھا کہ محسود لشکر کا نظم و ضبط اور ہوشیاری بے مثال تھی۔ محسود اس وقت تک اوٹ سے باہر نہیں آئے جب تک کہ پورا بریگیڈ گھیرے میں نہیں آ گیا۔ پھر انہوں نے ٹرکوں اور آرمرڈ گاڑیوں کے ڈرائیوروں کو دستے کے آگے اور پیچھے کھڑا کر لیا۔ اس کے بعد محاصرے میں ابتری پھیل گئی اور محسودوں کے بے پناہ صحیح نشانوں نے اپنا کام کر دکھایا۔ یہ ڈسپلن اور ہوشیاری کا

صفحہ نمبر51: سامنے 'اوپر'۔ زیادہ خوشحال قبائلیوں کے دفاعی انتظامات زیادہ منظم ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اس قلعہ نما گھر سے ظاہر ہوتا ہے۔
سامنے نیچے۔ اس بنجر علاقے میں زراعت کے لئے وادیاں ہمیشہ سے اہمیت کی حامل رہی ہیں۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



امتزاج ہی ہے جس نے غیر تربیت یافتہ ہونے کے باوجود بھی محسودوں کو ایک عظیم جنگجو قوت بنا دیا ہے۔ ۱۹۴۸ء کی کشمیر کی لڑائی میں ان کے کارنامے داستانوں کا درجہ حاصل کر چکے ہیں۔ ان میں نہ صرف یہ حیرت انگیز خوبی ہے کہ وہ اپنے دشمن کی کمزوریوں کی فوراً ہی نشاندہی کر لیتے ہیں بلکہ ان میں بے پناہ صبر بھی ہے جس کی وجہ سے وہ ان کمزوریوں سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے میں کامیاب رہتے ہیں۔

بلاشبہ، محسود تمام قبائلی پٹھانوں میں سے زیادہ وحشی اور جنگجو ہیں۔ انگریزوں کو اس قبیلے کے خلاف سات بار فوج بھیجنا پڑی۔ اس کے باوجود یہاں امن کا زمانہ زیادہ طویل نہیں رہا۔ ۱۸۶۰ء میں ایک برطانوی مُہم کو محسودوں کے خلاف جُزوی کامیابی حاصل ہوئی تھی، کیونکہ محسود صرف پتھروں اور قدیم ہتھیاروں سے مسلّح تھے جبکہ برطانوی نہایت عمدہ ہتھیاروں خاص طور پر فیلڈ گنوں سے لیس تھے۔ اس کے باوجود محسودوں نے ہار نہیں مانی۔ وہ ذہین اور منظم جنگجو نہیں۔ مگر یہ ان کا استقلال ہے جو انہیں اس قدر تباہ کُن بناتا ہے۔ جب برطانویوں نے ۱۸۶۰ء کے بعد وزیرستان میں نئی چوکیاں تعمیر کرنا شروع کیں، ہر برطانوی مداخلت کار کو محسودوں کی ہر لحظہ بڑھتی ہوئی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔

بالآخر، یہ محسودوں کی آزاد مَنَش فطرت تھی، جس کی وجہ سے برطانوی انہیں مطیع کرنے میں ناکام رہے یہاں تک کہ قبائلی جرگہ بھی لوگوں کو انفرادی طور پر جنگ جاری رکھنے سے روکنے میں ناکام رہا، مثلاً کانی گورام کے نزدیک ہمیں ایک مقام دکھایا گیا جہاں دو محسود شہیدوں نے ایک برطانوی بریگیڈ پر ایسے حملے کا فیصلہ کیا جس میں ان کی موت یقینی تھی۔

****

جنوبی وزیرستان میں ایک جرگہ، جو ابھی فارغ ہوا ہے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

انگریزوں نے ایک محسود سکاؤٹس فورس بنانے کی کوشش کی، مگر لوگوں کے بغاوت پر آمادہ رہنے کی وجہ سے انہوں نے کچھ ہی تجربوں کے بعد اس منصوبے کو خیرباد کہہ دیا۔ وہ قبائلی باغیوں کی حمایت کرتے تھے، جیسا کہ وزیرستان کے صُبرو مُلّا پاوِیندہ، جس نے اس صدی کے اوائل میں انگریزوں کے خلاف جنگ لڑی، کے وانا چھاؤنی پر حملے کے دوران ہوا تھا۔ محسود قبائل نے بغاوت کی اور مُلّا سے جا ملے۔ (اسی طرح جنگِ عظیم اوّل کے دَوران بلوچ رجمنٹ کے محسودوں نے، اپنے تُرک مسلمان بھائیوں کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا تھا)۔

○

یہ صرف برطانوی ہی نہیں تھے جنہیں محسودوں کے ہاتھوں زک اٹھانا پڑی۔ وزیری جو چلوشتی کے علاقے کے مالک تھے، بالآخر انہیں یہ علاقہ محسودوں کے حوالے کرنا پڑا اور انہیں اپنے علاقے میں محسودوں کی مزید کئی دخل اندازیاں بھی برداشت کرنا پڑیں۔ درحقیقت، یہاں کی تاریخ محسودوں کی وزیریوں کے خلاف بے قاعدہ جنگ و جدل سے بھری پڑی ہے۔ ٹانیوں کی طرح جو محسودوں سے اپنے علاقے بچانے کے لئے انگریزوں سے اتحاد پر مجبور ہو گئے تھے، شمال میں بسنے والے داور قبیلے کو بھی، ایک قبیلے کو دوسرے سے لڑا کر، کسی حد تک برطانیہ، "تقسیم کرو اور حکومت کرو" پر عملدرآمد میں کامیاب رہا تھا۔

○

شمالی وزیرستان کے قبائل کے خلاف محسودوں نے شاذ ہی کوئی ایسی جنگ لڑی ہو جس میں انہیں شکست کا سامنا ہوا ہو، ان کی جنگ جُویانہ مہارت داستانوی ہے۔ انگریزوں کے خلاف جنگوں کے دوران ۱۹۱۷ء میں ایک محسود سردار موسیٰ خان، چھ ساتھی قبائلیوں کے ہمراہ، عورتوں کا لباس پہن کر کسی طرح سکاؤٹوں کے زیرِ انتظام تت نرائی چوکی میں گھسنے میں کامیاب ہو گیا اور پوری پلاٹون کا صفایا کر دیا۔ ۱۹۱۶ء کے ایک ہی سال میں محسودوں نے ڈیرہ اسماعیل خاں پر سترہ بار حملہ کیا۔ ڈیرہ اسماعیل خان میں برطانوی سپاہیوں کے دو ڈویژن صرف محسودوں سے نپٹنے کے لئے تعینات تھے۔ اس سے پہلے بھی، انیسویں صدی کے پہلے نصف میں سکھ عملداری کے دَوران، ٹونک کا ایک گورنر جو ٹوانہ (پنجابی زمیندار خاندان کا ایک فرد) تھا، محسودوں کے مسلسل حملوں کی زد میں رہتا رہا۔

بدلتی اقدار

محسود، پٹھان آئینِ غیرت، پختون ولی، کو انتہائی حد تک ملحوظ خاطر رکھتے ہیں۔ وہ صحیح معنوں میں پٹھان قبائلی سماج کی آزاد منش اور جمہوری فطرت کے مظہر ہیں۔ جہاں ہر شخص خود کو باقی سب کے برابر سمجھتا ہے۔

بہت سے پٹھانوں کی طرح، انتقام کے معاملات میں محسود بھی اُجرتی قاتل کی خدمات حاصل کرتے ہیں۔ قاتل اس بندوق کو سمجھا جاتا ہے نہ کہ اس شخص کو جس نے ٹریگر دبایا ہو اور اس لئے انتقام بھی قاتل کے بجائے اس شخص سے لیا جاتا ہے جس نے قاتل کو اُجرت پر حاصل کیا ہو۔

خاص طور پر خنئی کے نام سے مشہور اُنکا ایک وحشیانہ رواج تھا، جس کا عام طور پر عم زادوں کے درمیان عمل ہوتا تھا۔ لڑائی میں ایک گروہ اپنے دشمن گروہ کے تمام مردوں کو قتل کر کے ان کی عورتیں خود

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



ہتھیا لیتا۔ ۱۹۴۷ء میں آزادی کے بعد سے یہ وحشیانہ دستور جو آفریدیوں میں بھی مروّج تھا تقریباً ختم ہو چکا ہے تاہم جنوبی وزیرستان میں میرے دَورے کے کچھ دنوں بعد اور جبکہ ہر کوئی یہ سمجھنے لگا تھا کہ بالآخر خیئ کا دستور دم توڑ چکا ہے' ایک خاندان کے سارے گیارہ افراد اپنے عم زادوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ پھر بھی اس سے پہلے کہ قاتل مال و اسباب ہتھیاتے اور مقتول خاندان کی عورتوں پر قبضہ کرتے' قبائلی جرگہ نے معاملے میں مداخلت کی اور لشکر کو حملہ کرنے کا حکم دیا۔ جس خاندان نے بربریّت کے اس انتہائی فعل کا ارتکاب کیا تھا' انہیں باہر لا کر گولی سے اڑا دیا گیا۔ میں نہیں سمجھتا کہ آج کا قبائلی خیئ کو مزید برداشت کر سکتا ہے۔

درحقیقت' محسود اب اتنے وحشی نہیں رہے جتنے کبھی تھے۔ ایک وجہ تو یہ ہے کہ اب ان پر کسی قوت کی حکمرانی نہیں ہے جسے وہ دشمن گردانتے ہوں۔ پختونستان تحریک' (ایک آزاد پٹھان وطن کے لئے) افغانستان میں روسی حملے کے بعد ختم ہو چکی ہے اور محسود پاکستان کو اپنا وطن سمجھتے ہیں۔ محسودوں کو پُرسکون کرنے کا دوسرا سبب ٹونک' ڈیرہ اسماعیل خاں' کراچی میں ان کے تجارتی مفادات ہیں۔ حکومت کے پاس' قبائلی علاقہ جات میں محسودوں کے شر و فساد کی صورت میں انہیں قابو میں رکھنے کا بے پناہ معاشی دباؤ موجود ہے۔ یوں بھی' چونکہ اب اکثر آباد علاقہ جات میں ان کے مکانات اور دوسرے مفادات ہیں' ان علاقوں کو برطانوی راج کے زمانے کی طرح ایسی جگہیں نہیں سمجھتے جہاں پر لُوٹ مار کی جائے۔ گو محسود ابھی بھی وزیری' برکی اور بٹانی علاقے میں تجاوزات کرتے ہیں' مگر مجموعی طور پر وہ بہت زیادہ امن پسند ہو چکے ہیں۔

****

صفحہ نمبر54: جنوبی وزیرستان میں محسود لڑکیاں۔

صفحہ نمبر57_56: جنوبی وزیرستان کے اس علاقے میں کانی گورام وہ واحد علاقہ ہے جہاں برکی آباد ہیں۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



کانی گورام

جنوبی وزیرستان کا سب سے بڑا قصبہ' کانی گورام محسودوں کا ثقافتی مرکز ہے اور یہ برکی قبیلے کا بھی وطن ہے' درحقیقت برکیوں کا ہمیشہ محسودوں کے ساتھ اتحاد رہا ہے' اور وزیریوں کے خلاف شانہ بشانہ لڑتے رہے ہیں۔ کانی گورام ایک تاریخی جگہ ہے' جہاں بہت سی قدیم قبریں موجود ہیں۔

○

تمام بڑے جرگے (قبائلی یا بین القبائلی) کانی گورام میں منعقد ہوتے تھے۔ مشہور وزیرستانی سورما' مُلّاپاوِیندہ اپنے جرگے یہاں بلاتا تھا۔ لشکر بھی کانی گورام میں اکٹھے ہوتے تھے۔ ایک زمانے میں' وزیرستان میں بہترین ہتھیار' تلواریں' چاقو' اور بندوقیں یہاں پر بنائی جاتی تھیں۔ آج کل بھی کانی گورام میں ہتھیار بنتے ہیں مگر اس حد تک نہیں جس طرح پہلے بنتے تھے۔ صحیح معنوں میں بڑے جرگے اب قِصّہ ماضی بن چکے ہیں اور ۱۹۴۷ء میں آزادی کے بعد سے بڑے لشکروں کی بھی ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس کے باوجود' اس قصبے کو ابھی بھی محسودوں کے مرکز کا مقام حاصل ہے۔

○

۱۸۶۰ء میں پہلی بار انگریز کانی کورام تک آئے' ان کی اگلی مہم ۱۸۹۱ء میں یہاں پہنچی۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے برطانوی دستے کئی بار کانی گورام میں داخل ہوئے۔ انہوں نے اس پر بمباری بھی کی۔ مگر وہ کوشش کرتے کہ لوگوں کو پہلے بمباری کا صحیح وقت بتا دیا جائے' تاکہ وہ اپنے گھر چھوڑ کر پہاڑوں پر جا سکیں۔

میری والدہ کا قبیلہ

کانی گورام میں برکی میرے میزبان تھے' جنہوں نے بے پناہ جوش و جذبے کے ساتھ کسی ہیرو کی طرح میرا استقبال کیا۔ اس عظیم استقبال کی وجہ یہ نہیں تھی کہ میں ایک کرکٹ سٹار تھا' بلکہ یہ کہ میں انہی کے قبیلے میں سے تھا۔ میری والدہ کی' برکی قبیلے کی شاخ ساڑھے تین سو سال قبل یہاں سے نقل مکانی کر کے ہندوستان میں جالندھر جا بسی تھی' ان کی یاد میں کانی گورام کے برکیوں نے ایک قریبی پہاڑی چوٹی کا نام جالندھر رکھ دیا تھا۔

○

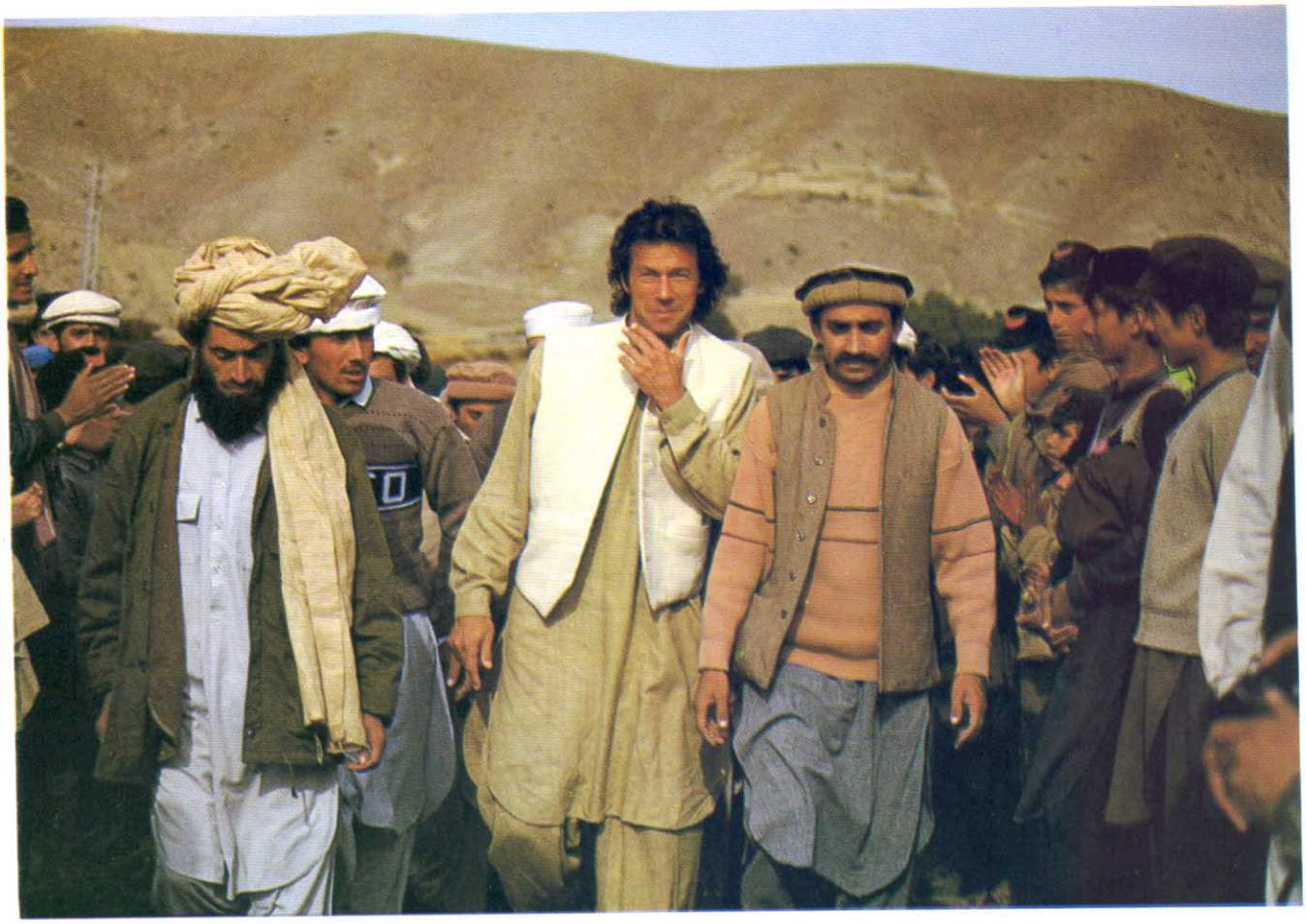
برکی قبیلہ (براکی یا ارمر قبیلے کے طور پر بھی مشہور ہے) اصل میں جنوب مشرقی تُرکی سے آئے تھے۔ گیارھویں صدی میں محمود غزنوی بعد میں بننے والے افغانستان کے بادشاہ' کے کابل کے نزدیک لوگر وادی میں' کچھ علاقے دینے کے بعد وہ وہاں آ کر بس گئے۔ ہندوستان میں اس کے حملوں کے دوران' گجرات کے صوبے میں سومنات کی مشہور جنگ میں برکیوں کے کردار سے محمود غزنوی خاص طور پر خوش ہُوا' اور واپسی پر' انہیں وہ علاقہ دیدیا جو آج کل جنوبی وزیرستان پر مشتمل ہے۔

○

سولہویں صدی کے اواخر میں میری والدہ کی برکی قبیلے کی شاخ جنوبی وزیرستان چھوڑ کر جالندھر میں آ کر آباد ہو گئی۔ سترھویں صدی کے اوائل میں افغان برکی بھی ان سے آن ملے' جنہیں ایک بغاوت کے دوران قتلِ عام کے بعد مُغلوں نے علاقہ بدر کر دیا تھا۔ برکیوں نے شہر کے اردگرد بارہ قلعہ نما قصبے تعمیر کئے' جنہیں 'بستی' کہا جاتا تھا۔ وہ ۱۹۴۷ء میں آزادی تک ان میں رہتے رہے' انہیں 'بستی' پٹھاناں کہا جاتا تھا۔ سب سے پہلی بستیوں میں سے ایک بستی برکی پیر شیخ درویش کے نام سے منسوب تھی۔ میری نانی کا تعلق براہِ راست ان کی اولاد سے تھا۔

www.facebook.com/PK322

www.freepdfpost.blogspot.com



ان کے ایک عم زاد' وزیرستان کے مشہور پیر' شیخ پیر ولی کانی گورام میں مدفون ہیں۔

○

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ' جنوبی وزیرستان میں زیادہ جنگجو محسود برکی علاقوں پر قابض ہوتے گئے اور آج صرف کانی گورام کے اردگرد کا علاقہ ان کے پاس رہ گیا ہے۔

○

حال ہی میں کانی گورام کے برکیوں کا ایک محسود ذیلی قبیلے سے تصادم ہوا ہے۔ ہمیں اس لڑائی کی جگہ دکھائی گئی مگر اصولی طور پر دونوں قبائل آپس میں خوشگوار تعلقات کے ساتھ رہ رہے ہیں اور محسود جو تقریباً اٹھارہ اور ایک کی نسبت سے برکیوں سے تعداد میں کہیں زیادہ ہیں' انہیں اپنا ہی ایک ذیلی قبیلہ سمجھتے ہیں۔ اپنے ہمسایوں کے خلاف جنگوں میں انگریزوں کے خلاف جنگ کی طرح' دونوں قبیلے شانہ بشانہ لڑتے ہیں۔ کانی گورام میں محسود بچے برکی سکولوں میں پڑھتے ہیں اور برکیوں اور محسود کی آپس میں شادیاں بھی ہوتی ہیں۔



کانی گورام میں برکی قبائلی مجھے خوش آمدید کہہ رہے ہیں۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



اسلحہ اور تقریباتی دعوت

کافی گورام میں میری آمد پر تمام قصبے نے کلاشنکوف اور دوسری رائفلوں کے شور سے میرا استقبال کیا۔ یہاں تک کہ انوکھی اینٹی ایئر کرافٹ گن سے بھی اسی وقت ہوا میں فائر کئے گئے ۔ (یہ پٹھانوں کا مہمانوں کے استقبال کرنے کا انداز ہے۔) یہ درحقیقت کافی سنگین بھی ہو سکتا ہے اس لئے کہ بندوقوں کا رُخ مہمان کے سر سے زیادہ اُوپر نہیں ہوتا' جب پاکستان نے کرکٹ کا ورلڈ کپ جیتا' تو سَرمَست پٹھانوں کی ہوائی فائرنگ سے جشن منانے کے دَوران کچھ اموات واقع ہو گئی تھیں۔

اس کے بعد ایک پُرتکلّف دعوت کا اہتمام کیا گیا۔ دعوت کے لئے ایک کپڑا بچھایا گیا تھا اور ہر کوئی اس کے اردگرد بیٹھا تھا۔ پہلے بڑوں نے کھانا کھایا' پھر بچوں اور بعد میں کارندوں نے' کوئی شے بھی ضائع نہیں کی جاتی۔ قبائلی پٹھان اپنے بہترین 'تکّوں' کی وجہ سے مشہور ہیں۔ پھر بھی وہ کبھی کبھار ہی دعوت گوارہ کر سکتے ہیں۔ وزیرستان کے دشوار گزار دیہاتی علاقے میں' مویشی اور کھانے پینے کی دوسری اشیاء کثرت سے دستیاب نہیں ہیں' اور کسی مہمان کے لئے یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ اس قدر کثرت سے بکرے کے گوشت سے اس کی دعوت کرنے سے اس کی کس قدر عزّت افزائی کی گئی ہے۔ مجھے یہاں کی روٹی بہت اچھی لگی ------ پاکستان کے شہروں میں ملنے والی روٹی کے برعکس' یہ خستہ ہوتی ہے اور اس میں غذائیت کے تمام عناصر محفوظ رہتے ہیں۔ یہ

کافی گورام کے بزرگ مجھے وہ جگہ دکھا رہے ہیں جہاں حال ہی میں برکیوں اور محسودوں کے ایک ذیلی قبیلے کے درمیان لڑائی ہوئی۔ کبھی کبھار کی جھڑپوں کے باوجود' یہ دو قبیلے ایک دوسرے کے ساتھ بقائے باہمی کے ساتھ رہتے ہیں اور اکثر دوسرے قبائل کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔

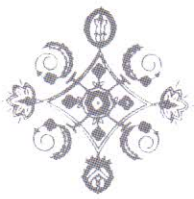
www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

چپاتیوں کی طرح مہین نہیں ہوتیں اور کافی موٹی اور بھوری رنگت کی ہوتی ہیں۔ سارے وزیرستان میں استعمال ہونے والی روٹی کی دوسری قسم کرکری روٹی کی ہوتی ہے۔

محسودوں کی عمومی خوراک مکئی کی روٹی' گھی اور دہی ہے۔ گوشت کبھی کبھار کی عیّاشی ہے۔ (لہٰذا' محسود زیادہ تر قد آور لوگ نہیں ہوتے۔ وہ درمیانے قد کے اور گٹھے ہوئے مگر بلا کے پھرتیلے اور مضبوط ہوتے ہیں)۔ کافی گورام میں اور اس کے مضافات میں بسنے والے لوگوں کی دوسری خوراک میں تھوڑا سا مرغ' دال' آلو' پیاز' کیلے اور مالٹے شامل ہیں۔ کبھی اگر گوشت مل جائے' تو اس کو چکنائی کے بغیر پانی میں پکایا جاتا ہے۔ اس کے بعد گوشت کو خشک جبکہ روٹی کو یخنی میں ڈبو کر کھایا جاتا ہے۔

عام طور پر لوگ طویل العمر ہوتے ہیں۔ نوے سال کی عمر تک پہنچنا عام بات ہے۔ تاہم کچھ بزرگوں کا خیال ہے کہ چائے' جسے انگریزوں نے قبائلی علاقہ جات میں متعارف کروایا تھا' لوگوں کی عمروں میں کمی کا باعث بن گئی ہے۔ اسے ہر جگہ پیا جاتا ہے۔ سبز چائے کو کھانے کے بعد پیش کیا جاتا ہے۔ مگر کھانوں کے درمیان اسے اُبلتے ہوئے دودھ' چائے کی پتّی اور بہت ساری چینی کے ساتھ بنایا جاتا ہے۔ یہ بہت مزیدار ہوتی ہے اور انسان بآسانی اس کا عادی ہو جاتا ہے مجھے ہر دو گھنٹے بعد چائے کی طلب ہونا شروع ہو جاتی۔

لوگ انتہائی چاق و چوبند ہیں۔ ایسے پہاڑی علاقے میں زندگی کی رعنائیوں سے پرے' اس کے شدید موسموں میں جو کبھی گرم اور کبھی بہت سرد ہوتا ہے فٹ رہنے کا ایک طریقہ رقص ہے۔ استقبال کے ایک حصّے کے طور پر برکی قبیلے کے نوجوانوں نے میرے لئے ایک محسودی رقص پیش کیا۔ شمشیرزن سپاہیوں کی حرکات سے اخذ کیا گیا یہ رقص واضح طور پر جنگ میں برسرپیکار مردوں کے لئے تخلیق کیا گیا تھا۔ حرکات کافی پھرتیلی ہوتی ہیں' اور جسم کے تمام اعضاء' خصوصاً بازو اور ٹانگیں متحرّک ہوتی ہیں جب میں اسے دیکھ رہا تھا تو مجھے احساس ہوا کہ یہ تین کام سرانجام دیتا ہے' اس سے پٹھے مضبوط ہوتے ہیں عضلات میں طاقت آتی ہے اور قوّتِ برداشت بڑھتی ہے۔ یہ رقص ایک ڈھول کی تال پر ہوتا ہے' اور یہ بہت مقبول ہو سکتا ہے' افسوس کی بات یہ ہے کہ حالیہ برسوں میں کچھ مُلّاؤں نے اس رزمیہ رقص کی مذّمت کی ہے' جس کے نتیجے میں اس کی مقبولیت میں خاصی کمی واقع ہو گئی ہے۔ مردوں کا بنیادی کام تجارت اور زراعت ہے مگر وہ اپنی لڑاکا خصوصیات کو صیقل کرتے رہتے ہیں۔ محسود رقص کے علاوہ' ان کی سب سے بڑی تفریح نشانہ بازی ہے۔ ہر بار مجھے نشانہ بازی کے مقابلے کی دعوت دی جاتی' کیونکہ انہیں تلور کے شکار کے لئے میرے ذوق و شوق کے بارے میں علم تھا ان کا نشانہ بازی کا معیار بہت بلند ہے اور وہ بے مثال ہیں۔



سارے قبائلی علاقہ جات میں کچھ قبائل میں درحقیقت ابھی بھی یہ روایت ہے کہ دولہا کو اس وقت تک دلہن لے جانے کی اجازت نہیں دی جاتی جب تک کہ وہ ایک طے شدہ ہدف کو نشانہ نہ بنالے۔ میں اس اضطراب کا اندازہ کر سکتا ہوں جس سے کچھ دولہاؤں کو گزرنا پڑتا ہو گا۔ پہلی بات تو یہ کہ انہیں اس اعصاب شکن تجربے سے گذرنا پڑتا ہو گا' کہ ان کی شریکِ حیات کیسی ہو گی (جب تک وہ عم زاد نہ ہو۔ دولہا نے اسے دیکھا تک نہیں ہو گا کہ وہ کیسی لگتی ہے ----- اسے اپنے خاندان کی عورتوں کی رائے پر بھروسا کرنا پڑتا ہے) اس پر طُرّہ یہ ہے کہ اپنی بیگم کو گھر پر لے جانے سے پہلے' اسے لوگوں کے ایک بڑے ہجوم کے سامنے' سو میٹر کے فاصلے پر' ایک رسّے کو نشانہ بنانے کی آزمائش سے گذرنا پڑے گا۔

صفحہ نمبر60: سامنے اوپر۔ زرمک چھاؤنی اسکاؤٹس نے ہمارے لئے ایک محسود رقص پیش کیا۔ محسود رقص ہی کی طرح' ایک رقص کافی گورام میں برکیوں نے بھی کیا تھا' یہ بیک وقت جنگجو اور کھیل کے سے انداز کا تھا۔ سامنے' نیچے۔ کافی گورام میں ایک بار پھر مجھے نشانہ بازی کا چیلنج کیا گیا۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com





www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



سخاوت اور عزّتِ نفس

برکی ناقابلِ یقین حد تک متواضع تھے۔ اتنا کہ میں کسی حد تک پریشان ہو گیا' کیونکہ میں جانتا تھا کہ ان کے وسائل کس قدر محدود ہیں یقینی طور پر میرا یہ عقیدہ مزید پختہ ہُوا کہ سخاوت کا کسی کی مادی دولت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ یہ ایک ذہنی کیفیت ہوتی ہے۔

قبائل کے کم عمر افراد جس قدر عزّت اپنے بڑوں کو دیتے تھے' اس نے مجھے حیران کر دیا۔ چھوٹے بچے جنہوں نے مجھے کرکٹ کھیلتے ہوئے دیکھا تھا میرے عقیدت مند تھے۔ میں نے دیکھا کہ پٹھان قبائل میں' بچے پورے قبیلے کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اگر کوئی بچہ بدتمیزی کرے' تو قبیلے کا کوئی بھی بڑا فرد اسے تمیز سکھا سکتا ہے۔ قبائلی علاقہ جات میں ہر جگہ بچوں کو بڑوں کا ادب کرنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ مائیں اس

صفحہ نمبر62: کمن کے راستے میں ایک قہوہ خانہ۔ اس طرح کی جگہیں کھانے کے اوقات میں کھانا مہیا کرتی ہیں۔ اور ان کے درمیانی وقفے میں چائے۔ ان کے باہر اونٹ بندھے ہوئے ہیں۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

53



سلسلے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں اس کے باوجود، نوجوان لڑکے اپنی عزّت نفس برقرار رکھتے ہیں اور زیر دست نہیں بن جاتے۔

○

مجھے ایک واقعہ یاد آتا ہے جب میں پنجاب میں کوہستانِ نمک میں تیتر کا شکار کر رہا تھا ہم ایک طاقتور زمیندار کی ذاتی جاگیر پر چل رہے تھے۔ اچانک ہم نے اپنے سامنے تیرہ چودہ سال کا ایک پاوینده لڑکا دیکھا جو تین اونٹ چرا رہا تھا۔ جاگیردار طیش میں آگیا۔ نہ صرف یہ کہ لڑکا بے جا اس کی جگہ میں گھس آیا تھا بلکہ وہ پودوں کو بھی خراب کر رہا تھا۔ اپنے مالک کو خوش کرنے کے لئے مشّاق، کارندے لڑکے کے ساتھ درشتی سے پیش آئے۔ جس نے فوراً ہی اس حقیقت کے باوجود کہ وہ دونوں پکّی عمروں کے مسلّح مرد تھے۔ ان پر حملہ کر دیا۔ دونوں آدمی کچھ دیر تک تو اس لڑکے کی بے خوفی پر ششدر رہ گئے۔ اس نے ان دونوں کو اپنی انا دکھائی اور جب اس کا فخر بحال ہو گیا تو وہ اونٹوں کو اس جاگیر سے پرے لے گیا۔

ایک اور قہوہ خانہ۔ یہ مکن کے اندر ہے۔ یہاں ہمیں جدید اور قدیم کا امتزاج دیکھنے میں ملا۔ انگریزوں سے جنگ کے دوران تین بار تاراج ہوا، مکن اس علاقے میں ہتھیار سازی کا مرکز تھا۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



نئے اور پرانے کا امتزاج

کانی گورام سے گاڑی پر سوار، محسود علاقے سے گذرتے ہوئے، ہم ماکن پہنچے۔ یہ ایک تاریخی قصبہ ہے جہاں بہت سے معرکے رونما ہو چکے ہیں یہ وہ جگہ ہے جہاں محسود اپنا لوہا پگھلایا کرتے تھے، تاکہ اس سے وہ اپنے ہتھیار بنا سکیں۔ انگریزوں نے اسے تین بار تاراج کیا، آخری دفعہ اس وقت جب وہ فقیرایپی سے جنگ کر رہے تھے۔

ماکن کے بازار میں ہم نے کچھ عجیب و غریب دوکانیں دیکھیں۔ چائے کے کھوکے خاص طور پر امریکی وحشی مغرب کا سا منظر پیش کر رہے تھے۔ ہم نے ایک ٹی سٹال دیکھا جہاں باہر اونٹ بندھے ہوئے تھے جب کہ کچھ گٹھے ہوئے مسلّح افراد میز کے گرد بیٹھے چائے پی رہے تھے ہر طرف سے قدیم اور جدید کا حیرت انگیز امتزاج تھا۔ بازار میں اونٹوں کے ساتھ ساتھ ڈاٹسن پک اپ بھی کھڑی تھیں۔ نوجوان مردوں کے پاس اے۔ کے ۴۷ تھیں جبکہ معمر قبائلیوں نے اپنی وفادار ۳۰۳ رائفلوں کو کندھے سے لگایا ہوا تھا۔ کپڑے تقریباً اسی طرح کے تھے جس طرح سو سال قبل پہنے جاتے تھے۔ تاہم افغان جنگ کی وجہ سے ملنے والی امریکی امداد کے نتیجے میں کچھ پٹھان جدید ملبوسات پہنے ہوئے تھے۔

****

بنجر وزیرستان میں ہر ایک کی زندگی سخت کٹھن ہے۔ یہ بچے شمالی وزیرستان کی انتہائی شدید ہواؤں سے خود کو ڈھانپ رہے ہیں۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

55



فقیرایپی

رمزک میں میرا تعارف مَلک نُور باقی جان سے کروایا گیا۔ وہ تُوری خیل وزیریوں کا مَلک تھا، جو وزیری ذیلی قبائل میں بہترین جنگجُو سمجھے جاتے تھے۔ انگریزوں کے لئے ہمیشہ درد سر، انہوں نے بیسویں صدی کے پٹھان ہیرو، فقیرایپی کی پوری جدّوجُہد کے دوران اس کی مدد کی۔ ملک نور باقی نے فقیر سے ملاقات کی تھی (فقیر ایک غریب آدمی ہوتا ہے یا وہ جس نے دنیاوی اشیاء کو خیرباد کہہ دیا ہو)۔ جو ۱۹۳۰ء کی دہائی سے لیکر ۱۹۴۷ء کی آزادی تک انگریزوں سے لڑتا رہا تھا۔ اور اسے کبھی شکست نہیں ہوئی تھی۔ مَلِک نور باقی اس کے بے پناہ مداحوں میں سے ایک تھا اور اس نے مجھے بتایا کہ فقیر ایک دبلا مگر انتہائی چاق و چوبند بہت ذہین اور بالکل بے خوف شخص تھا۔ اس کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ مافوق الفطرت قوت کا مالک ہے اور یہ کہ جب کبھی وہ مشکل میں ہوتا، اللہ اس کی مدد کرتا۔ وہ اس بات کی پیش بنی کر سکتا تھا کہ انگریز کس جگہ حملہ آور ہو رہے ہیں، اور وہ ان کے پہنچنے سے بہت پہلے وہاں سے غائب ہو جاتا۔ وہ سنگ ریزوں کو گولیوں میں بدل سکتا تھا۔ ہم نے ان میں سے کچھ کو میران شاہ کے آفیسرز میس میں دیکھا۔ رمزک کے نزدیک ایک لڑائی میں فقیر اور اس کے تیس ساتھیوں نے ایک پورے بریگیڈ کے حملے کو واپس دھکیل دیا۔ کہا جاتا ہے کہ انگریزوں کو کبھی اس بات کا یقین نہیں آیا کہ وہ صرف تیس آدمیوں سے نبرد آزما تھے۔

رزمک چھاؤنی میں ہم گورنر ہاؤس میں ٹھہرے۔ یہ برطانوی راج کا ایک شاندار ورثہ ہے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com





فقیر کی شہرت کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب بنّوں میں ایک پٹھان سکول ٹیچر' نور علی شاہ' ایک ہندو لڑکی رام کوری کے عشق میں گرفتار ہُوا اور اس سے شادی کر لی۔ چونکہ لڑکی ابھی اپنے سنِ بلوغ کو نہیں پہنچی تھی۔ انگریزی قانون کا تقاضا تھا کہ لڑکی واپس اس کے والدین کے حوالے کی جائے۔ جب عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ لڑکی قانونی طور پر اس نوجوان پٹھان کی منکوحہ نہیں تھی' والدین نے لڑکی کو لیا اور بنّوں چھوڑ کر پنجاب چلے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ہوشیار پور میں' اپنے ہم مذہب کسی ہندو سے اس کی شادی کر دی۔ اسی دوران نور علی شاہ کی شادی اس کی عم زاد سے کر دی گئی۔ ایک سال بے قراری میں گزارنے کے بعد بالآخر اس نے اپنی بیوی اور بچے کو چھوڑا اور اپنی محبت کی تلاش میں ہندوستان چلا گیا ----- اسے پھر دوبارہ کبھی نہیں دیکھا گیا۔ عدالت کے فیصلے کے بعد' ایک نوجوان مُلّا' جس نے اسلامی قانون کی روشنی میں اس نا انصافی کے خلاف شعلہ بار تقریر کی' مشہور ہونے لگا۔ یہ پہلا موقع تھا جب انگریزوں نے فقیرایپی کے بارے میں سنا۔

○

۱۹۳۵ء سے فقیر نے انگریزوں کے خلاف گوریلا جنگ کا آغاز کر دیا۔ ۱۹۳۶ء میں' شمالی وزیرستان میں' فیسورہ میں **مجکا** کے مقام پر ۲۳۰۰ انگریز اور ہندی سپاہی مارے گئے۔ موسم نے فقیر کی مدد کی۔ اور برطانوی فوج نے بارش' ژالہ باری اور سیلاب کے ہاتھوں سخت نقصان اٹھایا۔ ۱۹۳۷ء میں دمدیل کے مقام پر فقیر نے برطانوی فوج پر شب خون مار کر انہیں بھاری جانی نقصان پہنچایا۔ اگرچہ اسے افغانستان کے بادشاہ

تصویر۔ فقیرایپی ایک پٹھان ہیرو تھا جو ۴۰ء کے عشرے میں انگریزوں سے لڑتا رہا' جو بالآخر ۱۹۴۷ء میں آزادی پر منتج ہوا۔
اندر۔ فقیر سے بہت سی ماورائی قوتیں منسوب تھیں۔ مانسہرہ کے آفیسر میس میں ہم نے ان کنکروں کو دیکھا جنہیں اس نے گولیوں میں بدل دیا تھا۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

ظاہر شاہ سے کوئی مدد نہ ملی (جسے یہ خوف لاحق تھا کہ کہیں انگریز اسے تخت سے معزول نہ کر دیں) شمالی وزیرستان کے پٹھان قبائل مختلف طریقوں سے اس کی مدد کرتے رہے۔ نیز نور علی شاہ کے واقعے پر اتنی توجہ حاصل کر لی تھی کہ بٹانی' مروت' خٹک' واحد اور وزیری' سب نے انگریزوں کے خلاف اس کی حمایت کی۔ ۱۹۳۶ء میں افغانستان کے پٹھان قبائل کے کچھ افراد افغان حکومت کی حوصلہ شکنی کے باوجود رضاکارانہ طور پر اس کے ساتھ شامل ہو گئے۔

ہروقت متحرک رہنے کی وجہ سے' فقیر انگریزوں سے بچ نکلنے میں کامیاب رہتا۔ وہ بیک وقت اس کو راضی کرنے اور دھمکانے کی کوشش کرتے رہتے۔ جیسے ارسل کوٹ کے مقام پر فقیر کی کمین گاہوں پر انہوں نے بمباری کی۔ انہوں نے مذہبی عمائدین کو بھی رشوت دینے کی کوشش کی تاکہ وہ پیر کے خلاف تقریریں کریں۔ مثلاً فقیر شیوا نامی ایک شخص کو انہوں نے ترغیب دینے کی کوشش کی ---- مگر کوئی بھی پورے شمالی وزیرستان کو ۱۹۳۷ء سے لیکر ۱۹۴۷ء تک شعلہ فشاں بننے سے نہیں روک سکا۔ جب پاکستان آزاد ہوا' چالیس ہزار برطانوی سپاہی فقیرایپی سے برسرپیکار تھے۔ ۱۹۴۰ء میں ہٹلر نے دو جرمن ماہر یہاں بھیجے جنہوں نے فقیر کی بندوق سازی کی تکنیک کو بہتر بنایا اور گوریلا جنگ کی تربیت میں اسے مدد دی۔ فقیر کے اسلحہ سازی کے کارخانے میں چار بڑی توپیں تیار کی گئیں۔ وہ ۱۹۴۷ء کے بعد ایک آزاد پٹھان وطن کے لئے پختونستان تحریک کا ترجمان بن گیا۔ پاکستانی حکومت نے اسے اس مطالبے سے باز کیا۔

مَلِک نور باتی برطانوی راج کے دوران' خاصہ دار کے طور پر کام کر چکا تھا۔ (کیونکہ خاصہ دار مسلح افراد ہوتے تھے جنہیں **پولیٹیکل** ایجنٹ کی حفاظت کے لئے قبائل مہیا کرتے تھے اور انگریز انہیں معاوضہ دیتے تھے۔ **پولیٹیکل** ایجنٹ پر حملے کا مطلب خاصہ داروں پر حملہ بھی تھا۔ جس سے ایک خونی تنازعے کا آغاز ہو جاتا' چنانچہ وہ فساد روکنے کا ایک بہت مفید وسیلہ تھے۔ یہ نظام آج بھی مستعمل ہے)۔ مگر حقیقت میں دوسرے تمام خاصہ داروں سکاؤٹوں اور انڈین آرمی میں موجود تمام پٹھان سپاہیوں کی طرح مَلِک نور باتی کی ہمدردیاں بھی ہمیشہ فقیرایپی کے ساتھ رہیں۔ خاصہ دار فقیر کے خلاف کسی بھی برطانوی منصوبے سے اس کو آگاہ کر دیتے تھے۔ یہاں تک کہ کچھ سکاؤٹوں کا اس بات پر کورٹ مارشل بھی کیا گیا کہ انہوں نے فقیر پر براہِ راست یا اپنے قبائل کے آدمیوں پر جان بوجھ کر فائر کیوں نہیں کیا۔ مَلِک نور باتی کو اس وقت بریگیڈیئر مگر بعد میں صدر پاکستان (۶۸-۱۹۵۸ء) بننے والے ایوب خان نے ہدایت کی کہ وہ فقیر کو بتا دے کہ وہ ایک خاص مقام پر اس کے لئے اسلحہ چھوڑ دیں گے اس قدر وسیع حمایت کے ساتھ' اس بات پر حیرانی نہیں ہوتی کہ کس طرح فقیر برطانیہ کے لئے ایک مستقل چبھتا ہوا کانٹا بنا رہا۔



دشمن کی ملازمت

مَلِک نور باتی نے مجھے بتایا کہ کس طرح وہ خود رات کے وقت باتی قبائلیوں کے ساتھ مل جاتا اور انگریزوں پر چھپ کر فائرنگ کرتا ---- جن کی دن کے وقت وہ ملازمت کرتا تھا۔ اس کے مطابق' پٹھان انگریزوں سے نفرت کرتے تھے (اگرچہ وہ سکھوں سے اس سے بھی زیادہ

www.facebook.com/PK322

www.freepdfpost.blogspot.com



نفرت کرتے تھے)۔ برطانیہ کو ایسا دشمن سمجھا جاتا تھا جو پٹھانوں سے ان کی آزادی چھیننے کے درپے تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ کس طرح وقتاً فوقتاً ۱۹۲۰ء کی دھائی سے لیکر ۱۹۴۷ء تک' دیہاتوں پر بغیر کسی پیشگی انتباہ کے انگریز بمباری کرتے تھے اور جس سے مردوں کے ساتھ ساتھ بہت سی عورتیں اور بچے بھی مارے جاتے تھے۔ اکثر اوقات دیہاتیوں کو انتباہ کرنے کے لئے کہ وہ یہ جگہ چھوڑ کر پہاڑوں میں پناہ حاصل کر لیں' یہ اعلان پیشگی جہاز پر سے گرائے جاتے۔ مگر بعض اوقات یہ اعلان غلط جگہ پر گرائے جاتے یا سرے سے ایسا کوئی اہتمام کیا ہی نہ جاتا۔ ملک نور باقی نے ان بہت سی قربانیوں کا بھی ذکر کیا جب وہ برطانوی محاصرے کے دوران' اپنی عزّت اور آزادی کے تحفّظ کی خاطر ہمہ وقت تیار رہتے تھے۔ محاصرہ کے دَوران' بعض اوقات پہاڑوں میں وہ محض بلوط کھا کر گذارا کرتے۔

اس کے باوجود' پٹھان انگریزوں کی دو خصوصیات کی قدر ضرور کرتے تھے' ان کی انتظامی صلاحیت اور ان کی شجاعت۔ شمال مغربی سرحد پر خدمات سرانجام دینے والے انگریز افسر غیر معمولی افراد ہوتے تھے۔ پہلی بات تو یہ کہ صرف مُہم جُو فطرت والے افسر ہی اپنا نام کرنے کے لئے خود کو پیش کرتے تھے۔ مگر شجاعت کا اظہار ان کی مجبوری بھی تھی کیونکہ سکاؤٹوں کو قبائلیوں میں سے بھرتی کیا جاتا تھا۔ اور ان کے انگریز افسر اس بات سے باخبر تھے کہ بزدلی کا کوئی بھی فعل انہیں ان کے جوانوں کی نظروں سے گرا دے گا---- ان جوانوں کی نظروں سے جن کا کسی شخص کو جانچنے کا واحد معیار اس کی جرّأت و ہمّت پر مبنی تھا کچھ انگریز

شمالی وزیرستان کی وادی ٹوچی کے گھر ہمیشہ مجھے قرونِ وسطیٰ کے قلعوں کی یاد دلاتے ہیں۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

59



پولیٹیکل ایجنٹ واقعتاً" قبائلیوں کے بہت قریب آ گئے اور یہاں تک کہ ان میں سے کچھ اپنی شناخت بھی انہی کے حوالے سے کراتے تھے۔

سکاؤٹ فورس کو انگریزوں نے فقیرایپی جیسے گوریلا جنگجوؤں سے نمٹنے کے لئے تیار کیا تھا۔ قبائل سے سکاؤٹس کو بھرتی کرنے، انہیں فوجی تربیت دینے اور اعلیٰ ہتھیار فراہم کرنے کے بعد یہ امید کی جاتی تھی کہ یہ باقاعدہ فوج کی نسبت باغی پٹھان قبائل سے زیادہ آسانی سے نمٹ سکتے ہیں۔ انگریز عام طور پر سکاؤٹوں کو ان کی اپنی قبائلی حدود سے باہر تعینات کرنے میں بہت چوکسی سے کام لیتے تھے، کہ کہیں ان کی شدید قبائلی وفاداری ان کے فرائض سرانجام دینے میں حائل نہ ہونے پائے۔

مَلک نور باقی کی زندگی

مَلِک نور باقی کو مَلِک کا درجہ اس کے والد سے ورثے میں ملا تھا۔ اس کی وجہ سے ایک باقاعدہ آمدن حاصل رہتی ہے۔ قبائلی علاقہ جات میں زندگی کے غیر یقینی اور غیر محفوظ ہونے کی وجہ سے، باقاعدہ آمدن ایسی شے ہے جس کا ہر کوئی بے انتہا خواہشمند ہوتا ہے۔ اس کا رمزک

****

ملک نور باقی جان (پگڑی پہنے ہوئے) میرے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے برطانوی راج کے دوران خاصدار کے طور پر خدمات انجام دیں۔ اور اسی دوران اس کی فقیر ایپی سے واقفیت ہوئی۔ اس کے ساتھ ایک کرکٹر کا ساتھی ذاکر خان ہے۔ یہ بھی ایک پٹھان ہے جو اس سفر میں میرے ہمراہ تھا۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



کے نزدیک ایک قصبے کے علاوہ میران شاہ میں بھی ایک گھر ہے۔ وہ گرمیوں کو رمزک کی بہترین آب و ہوا میں گذارنا پسند کرتا ہے' یہاں ہر شام کو دو گھنٹے بارش ہوتی ہے اور باقی سارا وقت خوبصورت دھوپ چمکتی رہتی ہے۔ مَلِک نور باقی کے بائیس بچے ہیں۔ بارہ پہلی بیوی سے' اور دس دوسری بیوی سے' جس سے اس نے اس وقت شادی رچائی جب پہلی بیوی نے مزید بچے پیدا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ جب دوسری بیوی نے مزید بچے پیدا نہ کرنے کا فیصلہ کیا تو اس نے تیسری شادی کا منصوبہ بنانا شروع کر دیا تھا' مگر بعد ازاں اس نے سوچا کہ اس کے کافی اولاد ہو چکی ہے۔ قبائلی علاقہ جات میں کسی شخص کی قوّت کا انحصار اس پر ہے کہ اس کے کتنے بیٹے ہیں۔ اگرچہ صرف امیر اور باوسیلہ لوگ ہی دوسری یا تیسری شادی کی عیّاشی برداشت کر سکتے ہیں۔ مَلَک نور باقی چاہتا تھا کہ اس کے بیٹے زیادہ سے زیادہ وقت قبائلی علاقہ جات میں گزاریں۔ اس کا خیال تھا کہ میدانی علاقے میں پرورش پانے کی بجائے یہاں رہ کر وہ جسمانی طور پر زیادہ مضبوط ہوں گے۔ وہ اپنی بیٹیوں کو تعلیم دلوانے سے انکاری تھا' کیونکہ وہ سوچتا تھا کہ یہ سب بے کار ہو گا۔ اس کے بجائے اس نے ان میں سے اکثر کی بااثر نوجوان آدمیوں سے شادی کر دی ہے۔

جب ہم رمزک سے شمالی وزیرستان کی طرف مزید آگے گئے تو ہم

****

شمالی وزیرستان میں ایک جرگہ' جس نے اپنی میٹنگ ابھی ختم کی ہے۔ یہ دو وزیری ذیلی قبیلوں کے درمیان ایک ڈیم کی مجوزہ تعمیر کے جھگڑے کو حل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

61



ایک جنگلی علاقے سے گزرے۔ یہاں دو وزیری ذیلی قبائل میں تصادم ہوا تھا۔ اسد خیل دردانیوں سے مجوزہ سروبی ڈیم کی تعمیر پر برسرپیکار تھے۔ ہم نے ایک بڑا جرگہ بھی دیکھا جو اس تنازعے کو حل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

مداخیل وزیری

شمالی وزیرستان میں میرے سفر کے دلچسپ ترین حصوں میں سے ایک مداخیل وزیریوں کا قصبہ تھا۔ یہ ایک بنجر علاقہ ہے۔ محسودوں کی طرح، مداخیل وزیری بھی افغان مہاجرین کو اپنے علاقے میں آنے کی اجازت نہیں دیتے۔ قصبے سے لیکر افغان سرحد تک، کاروں کو مداخیل کے علاقے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے۔ جب ہم وہاں تھے، تو قصبے میں بہت سے اونٹ موجود تھے اور ہمیں فوراً ہی اندازہ ہو گیا کہ کس طرح قصبہ میں صحیح معنوں میں سڑک کا خاتمہ ہو گیا ہے۔ تقریباً

****

شمالی وزیرستان میں ایک منڈی

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

پینتالیس سال قبل ۲۶۰ قبائلی عمائدین نے یہ حلف اٹھایا تھا کہ اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے وہ کسی سکول یا سڑک کو مداخیل کے علاقے تک پہنچنے نہیں دیں گے۔ جس کے نتیجے میں اونٹ ہی نقل و حمل کا واحد ذریعہ ہیں۔

میرے ایک دوست اجمل خان، جو وفاقی وزیر اور پاکستان کی قومی اسمبلی کے رکن ہیں، کا تعلق اسی علاقے سے ہے۔ جب ایک سال قبل اجمل کے والد کا انتقال ہوا، وہ تدفین کے لئے ان کی میّت جیپ میں ڈال کر لے گئے۔ قبائلی جرگہ اس بات پر سیخ پا ہو گیا کہ ان کے قانون کو توڑ دیا گیا ہے۔ اگرچہ اس میں وہ اپنے والد کی میّت ہی لا رہے تھے۔ انہوں نے اس حقیقت کے باوجود کہ وہ پاکستان کا ایک وزیر تھا، اس پر دو کلاشنکوفوں اور ایک پستول کا جرمانہ عائد کر دیا۔

نوجوان قبائلی، قبائلی بزرگوں کے اس حلف کو رجعت پسندانہ گردانتے ہیں۔ میں نے اس مسئلے پر ایک قبائلی مَلِک نصراللہ خان کے بیٹے وودود خان سے بات کی۔ اس نے کہا کہ اس کی نسل حلف اٹھانے والے ان بزرگوں کے مرنے کا انتظار کر رہی ہے تاکہ وہ علاقے میں سڑکیں اور سکول تعمیر کر سکیں اور گاؤں میں بجلی لانے کا بندوبست بھی کریں۔ اس کا خیال تھا کہ اگر وہ چاہیں تو شاید وہ اس تبدیلی کو لا بھی سکتے ہیں، مگر یہ قبائلی بزرگوں کا احترام تھا۔ جس کی وجہ سے وہ ایسا نہیں کر رہے تھے۔

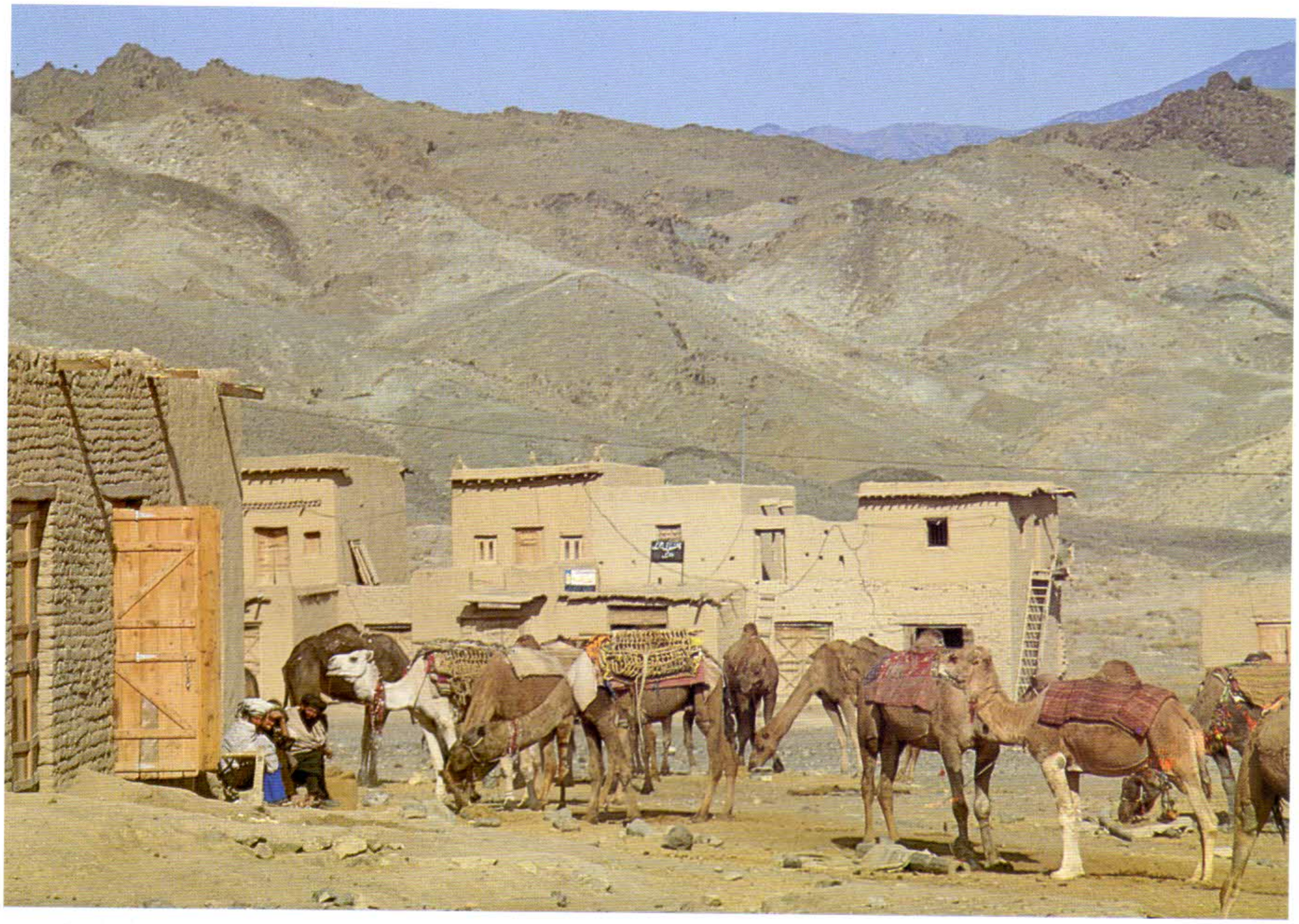
دال روٹی یہاں کی عام خوراک ہے۔ لوگ انتہائی چاق و چوبند ہیں۔ تاہم، محسودوں اور وزیریوں کے زیادہ تر وسائل ہتھیاروں کی خرید میں خرچ ہو جاتے ہیں، اور عام طور پر زراعت کو یہ قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ وہ رقم جسے زراعت میں دوبارہ استعمال کرنا چاہئے، خونی انتقام کی تیاریوں میں استعمال ہو جاتی ہے۔ خالص اقتصادی اعتبار سے، خونی انتقام ترقی کو روکنے کا باعث ہیں۔ قصبے کے قریب ہم نے ایک متنازعہ علاقہ دیکھا، جہاں کچھ دن قبل آتشیں اسلحہ استعمال ہونے والی ایک لڑائی میں اٹھارہ آدمی مارے گئے تھے۔ جس دوران قبائلی جرگہ اس بارے میں کوئی فیصلہ کرنے میں مصروف تھا، دونوں گروہ خود کو سر سے پاؤں تک اسلحہ سے لیس کرنے میں مصروف تھے۔

دشمن کو معاف کرنا

کبھی کبھار خونی تنازعوں کا خاتمہ عفوودرگزر سے بھی ہو جاتا ہے۔ مجھے حاجی بہرام خان نامی ایک وزیری قبائلی نے ایسا ہی ایک واقعہ سنایا۔ اس کے مطابق، ایک وزیری قبائلی، جو حج کے لئے مکّہ گیا ہوا تھا، اپنی واپسی پر اس نے فیصلہ کیا کہ وہ ایک وزیری ذیلی قبیلے کے خلاف اپنے خونی انتقام کا سلسلہ اب جاری نہیں رکھے گا۔ (اتفاق سے یہ شخص پچھلے بیس سال سے اس ذیلی قبیلے میں تقریباً چالیس اموات کا ذمہ دار تھا) چنانچہ اس نے ایک عورت کی طرح خود کو ملبوس کیا، اپنا سر ڈھکا اور اپنے دشمن کے گھر میں داخل ہو گیا۔ جب اندر داخل ہونے کے بعد اس نے ان سے کہا کہ وہ مکّہ سے ہو کر آیا ہے، اور اب یا تو وہ اسے قتل کر دیں

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

63



یا معاف کر دیں، خونی تنازعے کا یہ سلسلہ اب ختم ہونا چاہئے۔ ظاہر ہے، عورتوں نے اپنے مردوں کو یہ کہہ کر اسے معاف کر دینے پر مائل کیا کہ جب وہ شخص خود چل کر ان کی چار دیواری میں آگیا ہے، تو اسے قتل کر دینا ایک بزدلانہ اقدام ہو گا۔

****

مداخیل علاقے میں ایک قصبہ، جس کے آگے کاریں نہیں جا سکتیں۔ اس لئے کہ چالیس سال قبل قبائلی بزرگوں نے یہ عہد کیا تھا کہ وہ اس علاقے میں سکول یا سڑکیں نہیں بننے دیں گے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



ایک محسود دوست

وزیرستان میں میرے دوسرے سفر کے دوران میرے ہمراہ میرا ایک دوست بھی تھا' جس کا تعلق محسود قبائل سے تھا' اور وہ حکومت پاکستان کی ملازمت کرتا تھا۔ میں دوست محمد سے اس وقت متعارف ہوا جب وہ شمالی علاقہ جات میں' گلگت میں سرکاری نوکری کرتا تھا۔ شروع میں وہ مجھے سول سروس کے لئے کسی حد تک ناموزوں لگا۔ اس میں لیاقت اور نظم و ضبط جیسی خصوصیات کا فقدان تھا جو اس طرح کے عہدے کے لئے عام طور پر ضروری ہوتی ہیں۔ در حقیقت مجھے یہ بھی علم ہوا کہ اس کے اپنے اعلیٰ افسروں سے کچھ جھگڑے بھی ہو چکے ہیں اور سول سروس سے نکال باہر نہ کرنے کی واحد وجہ اس کی دلکش شخصیت' ذکاوت اور بذلہ سنجی تھی جس کی وجہ سے اسے ناپسند کرنا ناممکن ہو جاتا تھا۔

دوست محمد نے خود وزیرستان کے محسود علاقے میں میرے ہمراہ سفر کرنے کی پیش کش کی تھی تاکہ وہ صحیح معنوں میں مجھے محسود میزبانی سے روشناس کرا سکے۔ مجھے احساس نہیں تھا کہ اس کے نتیجے میں مجھے کس قدر تفریح حاصل رہے گی۔ وہ چلتے چلتے ہر وقت محسود طرز زندگی پر تبصرہ کرتا رہتا۔ جس کی بنیاد اس کے اس یقین پر ہوتی کہ اس کا اپنا قبیلہ باقی سب قبیلوں پر برتری رکھتا ہے۔ سب پٹھانوں میں یہ عام خصوصیت پائی جاتی ہے اور یہاں تک کہ بعض اوقات باقی قبائل کو پٹھان تسلیم کرنے سے ہی انکار کر دیتے ہیں۔ وہ سب سے پہلے اپنے گھر کے' پھر اپنے ذیلی قبیلے' پھر اپنے قبیلے اور آخر میں پوری پٹھان نسل سے وفادار ہوتے ہیں۔ اگرچہ میرا تعلق محسود قبیلے سے نہیں ہے' دوست محمد نے اس فخر کی بنیاد پر کرکٹ میں دلچسپی لینا شروع کی کہ اس کے ملک کی کرکٹ ٹیم کی قیادت ایک پٹھان کر رہا تھا۔ ہر قبائلی کی طرح' ہر شے کے بارے میں اس کے خیالات میں شدّت پائی جاتی ہے۔ غیر جانبدار رہنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مثلاً محسودوں کے برکی' وزیری اور مہتانی علاقوں پر قابض ہو جانے کے بارے میں اس کے ضمیر میں کوئی خلش نہیں تھی۔ اس کے لئے معاملہ واضح تھا۔ محسود بہترین جنگ باز ہیں اور قبائلی علاقہ جات میں جہاں تک بین القبائلی تعلقات کا تعلق ہے' تو جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون چلتا ہے یہ جگہ کمزوروں کے رہنے کے لئے نہیں ہے۔ ان کے لئے آباد علاقہ جات میں چلے جانے کی راہیں کھلی ہیں۔ تمام پٹھانوں کی طرح' وہ شجاعت سے بہت زیادہ متاثر ہوتا ہے۔ وہ اپنے پانچ سالہ بیٹے پر بہت فخر کرتا ہے کیونکہ سکول میں سب جانتے ہیں کہ لڑائی میں وہ اکیلا دو تین لڑکوں پر بھاری ہوتا ہے۔

دوست محمد کو اپنے والد اور دادا کے انگریزوں کے خلاف لڑائیوں کے دوران بہادری کے بہت سے قصے یاد تھے' جو انہوں نے اس صورتحال کے باوجود انجام دیئے تھے کہ ان کے پاس ان سے مقابلے کے لئے ہتھیار اور دیگر وسائل بھی مفقود تھے۔ اس نے مجھے یہ بھی بتایا کہ کس طرح اس کے والد نے کشمیر کو ہندوستانی غلامی سے نجات دلانے کے لئے جنگ میں حصہ لیا تھا۔ در حقیقت کشمیر میں محسود بہت جرأت مندانہ انداز میں لڑے۔ تین سو محسود قبائلیوں نے سری نگر کے اردگرد پہاڑوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ انہوں نے دو دنوں تک یہاں اپنی پوزیشنیں سنبھالے رکھیں' لیکن آخر میں انہیں یہاں سے پیچھے ہٹنا پڑا کیونکہ خوراک اور اسلحے کی کوئی رسد نہیں آ رہی تھی اور بھارتی چھاتہ بردار رجمنٹ ایئرپورٹ پر اتر چکی تھی۔

جب ہم وانا کی طرف سفر کر رہے تھے' ہمیں پٹھان خانہ بدوش' پاویندوں کا ایک قافلہ ملا۔ ایک پاویندہ عورت کو دیکھ کر دوست محمد کو چند سال پہلے رونما ہونے والا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ ایک خوبصورت پاویندہ عورت' وزیرستان میں اس کے گھر کپڑے بیچنے آئی' جس دوران وہ کپڑے دکھا رہی تھی' اس نے دوست محمد کو اسے شہوت بھری نگاہوں

سامنے۔ شمالی وزیرستان کے وزیری قبائل

www.facebook.com/PK322

www.freepdfpost.blogspot.com



سے دیکھتے ہوئے تاڑ لیا۔ کپڑا بیچنے والی کے تیور فوراً ہی بدل گئے۔ شدید غُصّے کے عالم میں اس نے اسے کہا کہ اس کا خاوند ایک انتہائی طاقتور شخص ہے' اور اگر دوست محمد کبھی اسے دیکھے تو وہ خوف سے ہی مر جائے۔ پھر اس نے مزید اضافہ کیا کہ وہ خود بھی اپنی ٹانگوں سے اس کی ہڈّی پسلی ایک کر سکتی ہے۔ دوست محمد کے لئے یہ سب کچھ بے حد شرمندگی کا باعث بنا کیونکہ یہ واقعہ اس کی بیوی اور والدہ کے سامنے پیش آیا تھا۔ اس دن کے بعد سے دوست محمد اس معاملے میں بہت محتاط رہتا ہے اور اپنے اور کسی پاوینده عورت کے درمیان ایک خاصا فاصلہ برقرار رکھتا ہے۔

○

درحقیقت دوست محمد کے عورتوں کے بارے میں خیالات بہت شدید ہیں۔ وہ مکمل طور پر اپنی والدہ کا فرمانبردار ہے اور انتہائی عقیدت اور محبت کے ساتھ ان سے برتاؤ کرتا ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ کس طرح بغیر کبھی اس کے دیکھے ہوئے' اس کی بیوی کا انتخاب کیا گیا۔ ان کی شادی کے بعد وہ ان کے گھر ایک سال تک رہی' اس کے بعد اسے حقوق زوجیت ادا کرنے کی اجازت دی گئی۔ میں نے اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں سنا تھا۔ مگر قبائلی علاقہ جات میں جب کوئی نوجوان دلہن ابھی بلوغت کی عمر تک نہیں پہنچی ہوتی' تو اکثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ اس بارے میں کوئی حتمی اصول نہیں کہ کونسی عمر ٹھیک رہتی ہے' مگر محسودوں میں عام طور پر لڑکیوں کی شادی چودہ سے اٹھارہ سال کی عمر میں کر دی جاتی ہے۔

****

شمالی وزیرستان میں افغان مجاہدین کا ایک مہاجر قصبہ۔ افغان جنگ کے دوران تیس لاکھ سے زیادہ مہاجروں نے سرحد عبور کر کے پاکستان کے مہاجر قصبوں میں رہائش اختیار کی۔

www.facebook.com/PK322

www.freepdfpost.blogspot.com



دوست محمد کے مطابق، بہت زیادہ میک اپ کرنے کو قبائلی علاقہ جات میں عام طور پر ناپسند کیا جاتا ہے۔ عورتوں کے فطری حسن کو زیادہ بہتر خیال کیا جاتا ہے۔ اس نے مجھے ایک واقعہ سنایا، جس میں دو بہنیں اپنے بھائی کے لئے لڑکی دیکھنے گئیں مگر لڑکی کی والدہ نے انہیں اس لئے لوٹا دیا کہ انہوں نے بہت زیادہ میک اپ کیا ہوا تھا۔ دوست محمد نے مجھے بتایا کہ کس طرح ایک بار وہ خود بھی، اپنی بیوی سے اس بات پر ناراض ہو گیا تھا ایک شادی میں شرکت کے لئے اسلام آباد جاتے ہوئے اس نے ہونٹوں پر بہت زیادہ سرخی لگا رکھی تھی۔ اس نے اس سے یہ اتارنے کو کہا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اسے خود کو صرف اسی کے لئے جاذبِ نظر بنانا چاہئے اور دوسرے لوگوں کے سامنے اس کو دلکش نظر آنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ سب کچھ اس حقیقت کے باوجود تھا کہ شادی بیاہ کی تقریبات میں آدمیوں اور عورتوں کے علیحدہ علیحدہ ہونے کی وجہ سے اس نے عورتوں والے حصے میں بیٹھنا تھا۔

دوست محمد کا رویّہ اپنی عورتوں کے بارے میں پٹھانوں کی مخصوص قدامت پسند فطرت کا غمّاز ہے۔ پھر بھی وہ ایک تعلیم یافتہ شخص ہے اور اپنے قدامت پسند کردار کے باوجود، انتہائی ترقی پسند ہے۔ اس کے باوجود کہ قبائلی علاقہ جات میں عورتوں کے لئے تعلیم کے وسائل بہت محدود ہیں، وہ اپنی بیٹیوں کو تعلیم دلوا رہا ہے۔

وہ سمجھتا ہے کہ اب جبکہ ہندوستان پر انگریز حکمران نہیں ہیں، کوئی ایسی وجہ نہیں ہے کہ قبائلی لوگ تعلیم حاصل نہ کریں۔ اگرچہ اس کے خیال میں کچھ مَلِک تعلیم کے خلاف ہیں کیونکہ اس طرح انہیں اپنی قوّت میں کمی کا خدشہ ہے۔ اس کے دل میں مَلِکوں کے لئے کوئی خاص عزّت نہیں ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ انگریزوں نے قبائلی علاقہ جات میں اپنے عمل دخل کو زیادہ مؤثّر بنانے کے لئے انہیں استعمال کرنے کے لئے تخلیق کیا۔ (انگریزوں کی آمد سے قبل، مَلِک بزرگوں کی طرح قبیلے کے قابلِ احترام افراد ہوتے تھے مگر انگریزوں نے انہیں وظائف دینے کا دستور متعارف کرایا) دوست محمد کے خیال میں اب بھی وہ کوئی مفید کام سرانجام نہیں دے رہے اور اپنے قبیلے کی نسبت اپنے ذاتی مفاد میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔

وہ مالکی نظام پر سخت تنقید کرتا ہے۔ اس کے خیال میں یہ فرسودہ ہو چکا ہے اور اخلاقی بگاڑ کا باعث ہے۔ وہ قبائلی علاقہ جات میں بالغ رائے دہی کا حامی ہے تاکہ لوگ اپنی تقدیر کا خود فیصلہ کر سکیں۔ وہ ایف۔ سی۔ آر کے نظام کو بھی شدید ناپسند کرتا ہے۔ جس کے تحت اگر کوئی محسود قبائلی علاقہ جات میں کسی جُرم کا مرتکب ہوتا ہے، تو آباد علاقہ جات میں اس ذیلی قبیلے کے تمام افراد کو، محض **پولیٹیکل** ایجنٹ کے احکامات پر حکومت گرفتار کر لیتی ہے۔

دوست محمد ان قبائلیوں سے نفرت کرتا ہے جنہوں نے سپاہیوں، خاصہ داروں یا سکاؤٹوں کی حیثیت سے انگریزوں کے لئے کام کیا تھا۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ ضمیر فروش تھے۔ وہ اپنے ایسے سول سرونٹ ساتھیوں کو دیکھ کر حیران ہوتا ہے جو انگریز راج کی باقیات دکھائی دیتے ہیں، جنہوں نے انگریزوں کے جانے کے بعد ان کی جگہ لے لی ہے۔ وہ ان کے عادات و خصائل کو اپنا لیا ہے اور اپنے بچوں کے ساتھ انگریزی میں بات کرتے ہیں۔ اسے ان پاکستانیوں سے شدید نفرت ہے جو انگریز بننے کی کوشش کرتے ہیں اور اپنی ثقافت پر شرمساری کا اظہار کرتے ہیں۔ اس کی نظر میں ذہنی طور پر ابھی یہ لوگ انگریزوں کے غلام ہیں۔

www.facebook.com/PK322

www.freepdfpost.blogspot.com



بہت سے پٹھانوں کی طرح دوست محمد کو بھی اپنی عمر کا اندازہ نہیں ہے۔ مجھے یہ اس وقت پتہ چلا جب میں نے اس سے پوچھا کہ اس کا برج کیا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اسے بس اتنا بتایا گیا تھا کہ ۱۹۴۸ء میں اس کے والد کے کشمیر کے جہاد کے لئے جانے کے چند سال قبل وہ پیدا ہوا تھا۔ پٹھانوں میں عمر کا حساب سالوں سے نہیں بلکہ واقعات سے لگایا جاتا ہے۔

اوپر۔ یہ تصویر ماہ رمضان میں لی گئی۔ جب ہم بھوک سے بے حال تھے اور میں سو گیا تھا۔ وردی میں ملبوس شخص 'وانا کے سکاؤٹس کا کمانڈر کرنل رحم زاد خان ہے۔ اس کے ساتھ (سفید قمیص میں) میرا دوست 'ایک محسود قبائلی دوست محمد ہے جو اس سفر میں میرے ہمراہ تھا۔ بائیں جانب' آخر میں' میرا کرکٹر ساتھی ذاکر خان ہے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

باب سوئم

وسطی اور شمالی قبائلی علاقہ جات



وزیرستان کے شمال میں کرم ایجنسی ہے' جہاں دریائے کرّم کے ساتھ ساتھ ایک سرسبز وادی ہے۔ وزیرستان کی بیابانی سے گذرنے کے بعد میرے سامنے دھان کی بلند لہلہاتی فصل اور پھلوں کے باغات لئے سرسبز و شاداب وادیِ کُرّم تھی۔ کیسا شاندار فرق تھا۔ کُرّم ایجنسی میں شیعہ سنی فسادات کی بنا پر' ہتھیاروں کو ساتھ لئے پھرنے پر پابندی ہے چنانچہ یہ علاقہ وزیرستان کی نسبتاً پُرامن ہے اور عام طور پر ہمیں یہاں ماحول پُرامن نظر آیا۔ جب ہم وادیِ کُرّم سے اُوپر کی طرف پارہ چنار کی طرف جا رہے تھے ہم نے دیکھا کہ یہاں وزیرستان کی طرح تمام گھر قلعہ کی طرز پر تعمیر نہیں کئے گئے تھے۔ کچھ مکان ایسے بھی تھے جن میں برآمدے تھے اور جن تک رسائی نسبتاً آسان تھی' جُوں جُوں ہم بلندی کی طرف چڑھتے گئے' وادی حسین تر ہوتی گئی۔ ہمارے دائیں جانب 'سفید کوہ' کی برف پوش چوٹی تھی۔ پارہ چنار کے مقام پر وادی کافی زیادہ کشادہ

****

وادی کرم میں گھروں پر قلعہ بندیوں کے اثرات کم ہیں جو اس علاقے کے طویل عرصے تک امن اور تحفظ کی فضا میں رہنے کے غماز ہیں۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

ہو جاتی ہے۔ یہاں میرا قیام نو آبادیاتی طرز کی ایک اور عمارت، گورنر ہاؤس میں تھا۔ اس کو خوب محفوظ رکھا گیا ہے۔ جبکہ قبائلی علاقہ جات اور باقی پاکستان میں، نو آبادیاتی دَور کی بہت سی نشانیوں کو جدید، ادنیٰ عمارات میں بدل دیا گیا ہے۔

افغان جنگ کے نتائج

پارہ چنار سے افغان سرحد پر گاڑی کے ذریعے صرف دو گھنٹے میں پہنچا جا سکتا ہے۔ یہاں ہم نے ۱۹۷۹ء میں افغانستان پر روسی حملے اور اس کے نتیجے میں جاری رہنے والی جنگ سے ہونے والی تباہی کے آثار دیکھے۔ ۲۴۰۰ میٹر کی بلندی پر واقع دَرّہ مرتی مینگل کی طرف جاتے ہوئے، ہم نے اس کے شروع میں ایک قصبہ دیکھا، جس پر سوویت نواز افغان حکومت راکٹوں سے حملہ کرتی رہی تھی۔ درّے کے اُوپر، ایک تباہ شدہ افغان چوکی تھی۔ یہ سارا علاقہ گوریلا مجاہدین کے کمانڈر گلبدین حکمت یار کی عملداری میں تھا، ہم نے اس کا کیمپ دیکھا جسے بڑی ہوشیاری سے صنوبر کے گھنے جنگل میں کیمو فلاج کیا ہوا تھا۔ یہی ایک علاقہ تھا جو درختوں سے گھِرا ہُوا تھا۔ اِرد گرد ہرجگہ، کثیر تعداد میں درختوں کا صفایا ہو چُکا ہے۔ افغان مجاہدین، جن کے پاس آمدن کا کوئی ذریعہ نہ تھا، وہ اپنا گزارا چلانے کے لئے لکڑی کی تجارت میں شامل ہو گئے۔ جس کا نتیجہ ہرجگہ اجاڑ پہاڑی ڈھلوانوں اور زمین کی بربادی کی صورت میں ہمیں نظر آ رہا تھا۔

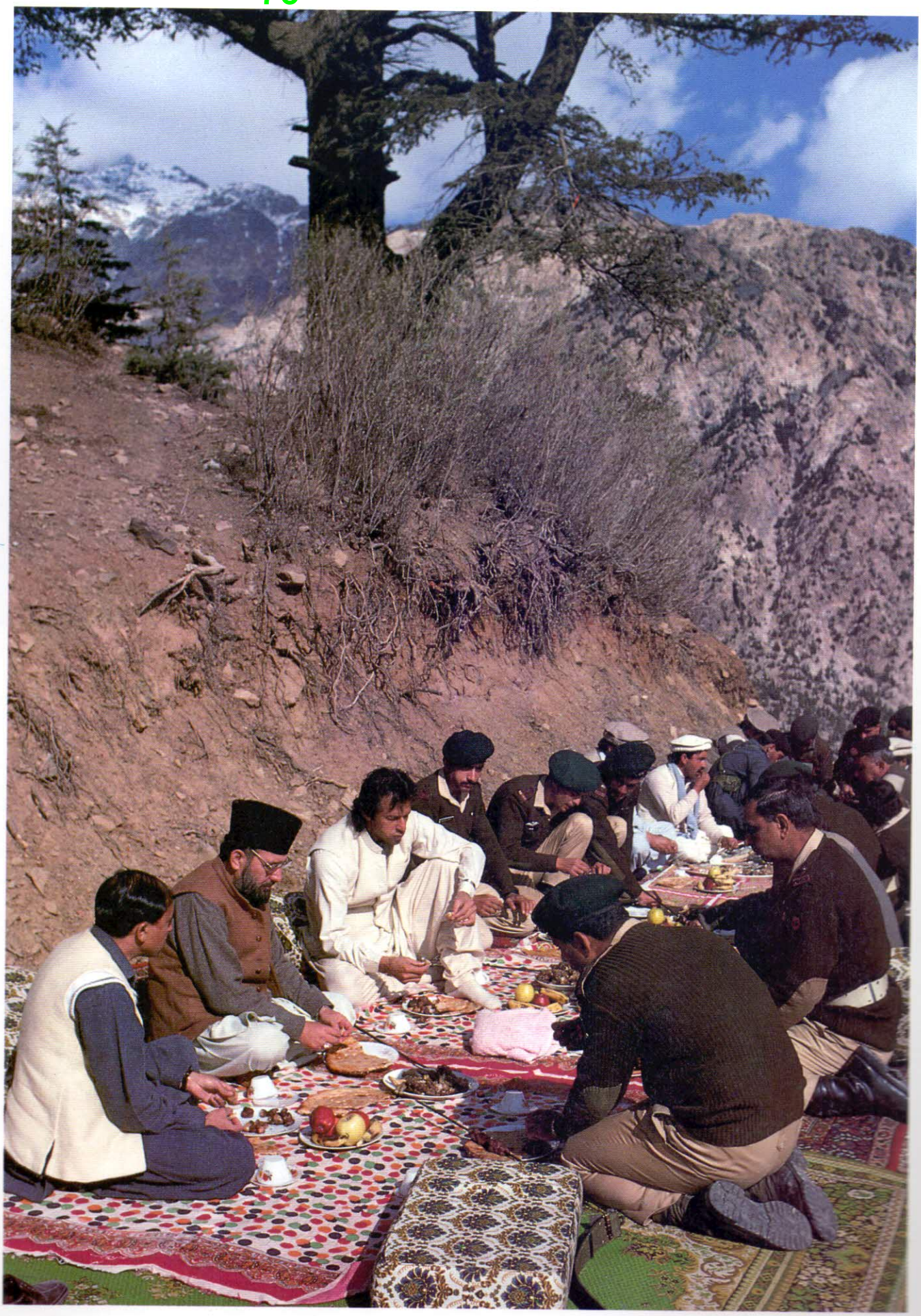
ہم ڈیورنڈ لائن پار کر کے افغانستان میں داخل ہو گئے۔ سرحد پر افغان حکومت کے چیک پوائنٹ یا چوکیاں موجود نہیں ہیں۔ حکومت کی عملداری صرف شہروں تک محدود ہے، اور باقی ہر جگہ مجاہدین کا سِکّہ چلتا ہے۔ سرحد پار ہم نے ایک قصبہ دیکھا جسے روسی گن شپ ہیلی کاپٹروں نے مکمل طور پر تباہ کر دیا تھا۔ سٹنگر میزائل حاصل کرنے کے بعد افغان جنگ میں ایک موڑ آیا اور ان کی وجہ سے روسی گن شپ ہیلی کاپٹر مؤثّر نہیں رہے۔ جن مجاہدین سے ہم ملے ان کا خیال تھا کہ سٹنگر میزائل انہیں پہلے اس لئے مہیا نہیں کئے گئے چونکہ امریکہ ایک جلد فتح کی بجائے رُوسیوں کا خون بہانے میں زیادہ دلچسپی رکھتا تھا۔ جب میں وہاں موجود تھا تو مجاہدین کی سوویت نواز نجیب حکومت پر فتح صاف نظر آ رہی تھی اور سالہاسال کی جنگ سے تھکے ہوئے چھاپہ ماروں میں ایک عمومی رجائیت کی فضا پائی جاتی تھی میرے سفر کے کچھ ماہ بعد، نجیب حکومت مجاہدین کے سامنے ڈھیر ہو چکی تھی۔

درّہ تری مینگل میں ہماری ملاقات کچھ افغان لڑکوں سے ہوئی جنہوں نے روسی بارودی سرنگیں اٹھائی ہوئی تھیں۔ (سرحد کے بیشتر علاقے پر روسیوں نے بارودی سرنگیں بچھا رکھی تھیں)۔ لڑکوں نے مجھے بتایا کہ وہ یہ بارودی سرنگیں بیچنے کے لئے قبائلی علاقہ جات لے جا رہے ہیں۔ ظاہر ہے انہوں نے خود ہی ان سرنگوں کو ناکارہ کرنے کے طریقے بنا لئے تھے اور اب وہ انہیں ناکارہ کرنے اور بعد ازاں فروخت کرنے کے لئے ڈھونڈتے تھے۔ بہت سے لڑکے اس کام میں شریک ہو چکے تھے۔ ان میں سے اکثر کی زندگی میں جنگ کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ اپنے لڑکپن کی عمر کو پہنچے ہوئے اکثر اس وقت تقریباً پانچ سال کے تھے جب روسی وہاں حملہ آور ہوئے اور ان کے لئے جنگ زندگی کا حصہ ہے۔ درحقیقت ہم کچھ ایسے مجاہدین سے ملے جو ابھی اپنے اوائل شباب میں

سامنے۔ افغان سرحد پر، درہ تری مینگل کی چوٹی پر، یہاں متعین پاکستانی فوج کے سپاہیوں کے ساتھ ایک ضیافت، میرے دائیں طرف، پیر یعقوب شاہ، جو کانی گورام کا ایک بر کی ملک ہے اور کرم کا پولیٹیکل ایجنٹ ہے۔

www.facebook.com/PK322

www.freepdfpost.blogspot.com



www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

تھے اور اس بات سے بیزار تھے کہ روسیوں کے جانے کے بعد ان کی زندگی میں صحیح معنوں میں حرکت و عمل کا عنصر خارج ہوتا جا رہا ہے۔ وہ جہاد کشمیر میں شمولیت کے منصوبے بنا رہے تھے۔



وادی میں جنگ اور امن

وادیِ کُرّم میں زیادہ تر شیعہ طُوری مسلمان اور بنگش سُنّی مسلمان آباد ہیں۔ بہت سے پٹھانوں کی طرح طُوری اصل میں نیم خانہ بدوش تھے جو سردیاں دریائے سندھ کے کنارے اور گرمیاں وادیِ کُرّم میں گذارتے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ طُوریوں نے ایک واقعے کے بعد، جس میں ان کی عورتیں شامل تھیں، تین صدیاں قبل اس نیم خانہ بدوش طرزِ حیات کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ قِصّہ کچھ یوں ہے کہ ان عورتوں کو کچھ بنگش قبائلیوں نے تنگ کیا اور انہیں وادی کُرّم سے نکال کر وہاں خود آباد ہو گئے۔ تاہم، بعد ازاں، وہ مسلسل، مغرب اور خاص طور پر مشرق کے اورک زئیوں کے تجاوزانہ حملوں کی زد میں رہے، اور وہ یوں اُنہی علاقوں پر اپنا قبضہ برقرار رکھ سکے جس کے دفاع کے وہ اہل تھے۔

انیسویں صدی کے وسط میں (افغانستان اور ہندوستان کو علیحدہ کرنے کے لئے ڈیورنڈلائن کھینچنے سے قبل) افغان حکومت نے وادی کُرّم کو اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔ اس کے کچھ ہی عرصے بعد، پہلی برطانوی فوج، کُرّم وادی کی طرف سے ہونے والے برطانوی زیرانتظام ضلع کوہاٹ پر حملوں کا خاتمہ کرنے کے لئے وادی میں داخل ہوئی۔ ۱۸۷۸ء میں دوسری افغان جنگ کے بعد، وادی افغان اقتدار سے آزاد ہو گئی، اور یہاں مکمل ابتری کا راج ہو گیا۔ مسلسل سُنّی حملوں سے پریشان، طُوریوں نے انگریزوں سے مدد کی درخواست کی۔ جنہوں نے بخوشی اسے قبول کر لیا کیونکہ انہیں افغانستان پر حملہ کرنے کے لئے مرکز کے طور پر وادیِ کُرّم کی ضرورت تھی۔ ۱۸۹۲ء میں انگریزوں نے کُرّم وادی کو اپنی حکومت میں شامل کر لیا اور قبیلے کو سالانہ وظائف دینا شروع کر دیئے۔ اس کے صلے میں طُوری انگریزوں کو مالیہ ادا کرتے تھے، برٹش انڈین آرمی اور سکاؤٹس میں خدمات سَرانجام دیتے تھے۔

۱۹۱۹ء تک وادیِ کُرّم میں کسی حد تک امن و امان رہا، پھر تیسری افغان جنگ میں، ایک مُہم جُو افغان جنرل، نادر خان نے وادیِ کُرّم سے لے کر تھل تک اپنی عملداری قائم کر لی، جہاں اس کے سپاہیوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا۔ شمالی وزیرستان کی سرحد پر واقع قریبی ٹوچی وادی کے وزیری بھی، اس موقع پر انگریزوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جنگ کے بعد، کُرّم وادی دوبارہ انگریزوں کے قبضے میں آ گئی اور آزادی تک یہی صورتحال رہی۔ اس کے بعد سے کبھی کبھار کی شیعہ سُنّی جھڑپوں کے علاوہ، وادی میں امن و سکون رہتا ہے۔

افغانستان میں روسی مداخلت اور حالیہ جنگ کے نتیجے میں، کُرّم وادی افغان مہاجرین سے بھر گئی ہے جن کی تعداد، ایک موقع پر، ساڑھے تین لاکھ سے تجاوز کر گئی تھی۔ مجاہدین کی فتح کے بعد، مہاجرین کی ایک قلیل تعداد واپس افغانستان جانا شروع ہو گئی ہے۔

www.facebook.com/PK322

www.freepdfpost.blogspot.com

72



دونوں' دن میں ایک بار کھانے میں چاول کھاتے ہیں۔ انگریزوں کی موجودگی کی بنا پر' نسبتاً محفوظ زندگی گذارنے کی وجہ سے وہ آباد علاقہ جات کے پٹھانوں سے زیادہ مشابہت رکھتے ہیں۔ پھر بھی' وہ پٹھان آئین غیرت کے مطابق زندگی گذارتے ہیں۔ ان کی اقدار اور نظام میں اب بھی میزبانی' انتقام اور غیرت کی چھاپ نظر آتی ہے۔ اگرچہ وہ پختون ولی پر محسودوں اور وزیریوں کی سی شِدّت کے ساتھ عمل نہ بھی کرتے ہوں اور آئین سے شِدّت کے ساتھ وابستہ نہ بھی ہوں' ان کی تمام تر حیات کی اساس انہی اصولوں پر مبنی ہے۔

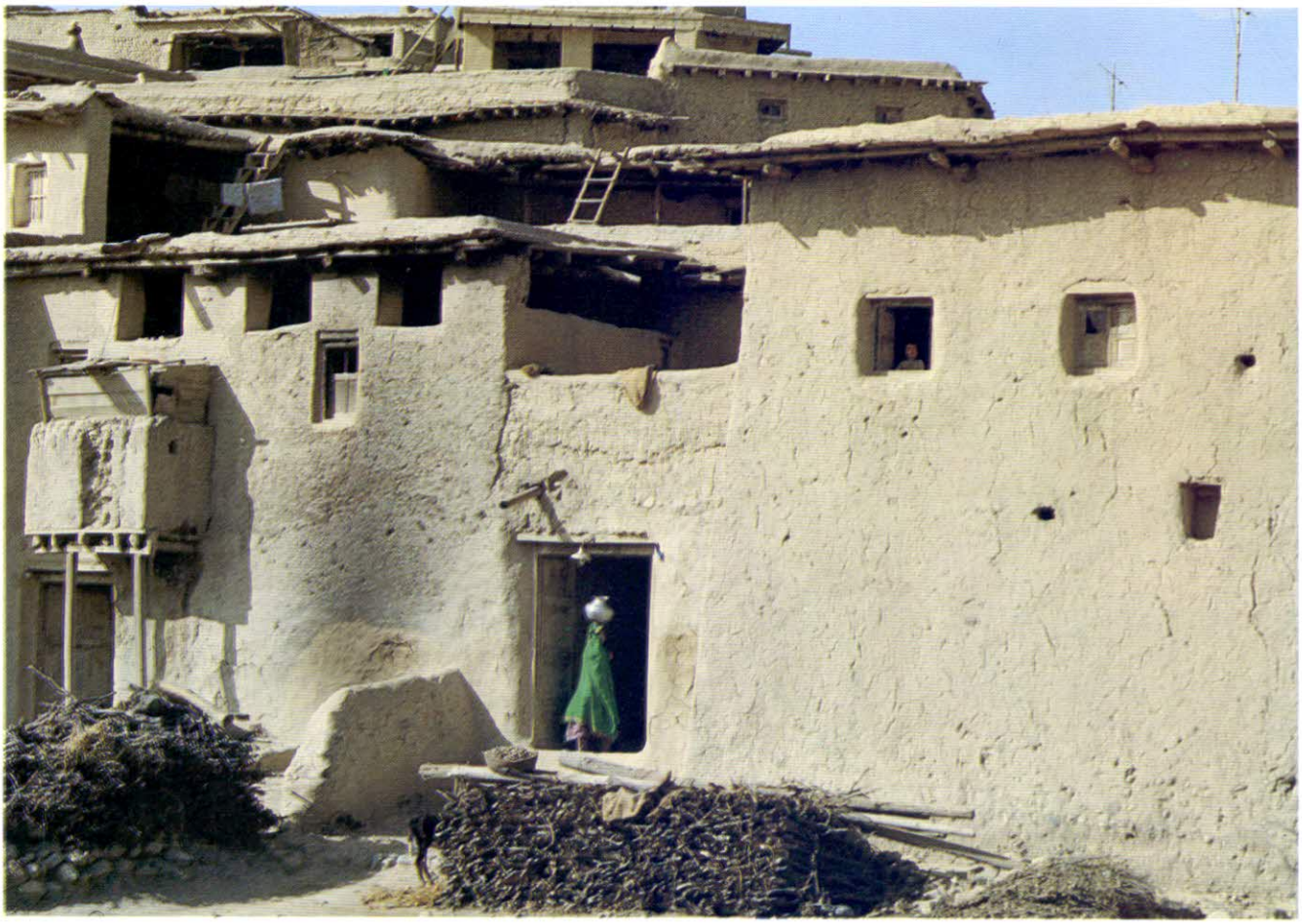
ایک طے شُدہ طرزِ حیات

وزیرستان کے برعکس' کُرّم کے علاقے میں چاول کھائے جاتے ہیں۔ چاول بلند پہاڑی ڈھلوانوں پر اُگایا جاتا ہے اور بنگش اور طُوری

سرحد کے قریب' افغانستان کا ایک قصبہ' جو روسی گن شپ ہیلی کاپٹروں نے تباہ کر دیا۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

73



قلعہ ثمانہ

ہم وادیِ کُرّم سے ۴۰۰ میٹر کی بلندی پر واقع قلعہ ثمانہ پہنچے۔ قلعہ کے جنوب کی جانب وادیِ منگو نظر آتی ہے جبکہ شمال میں تراہ کے پہاڑ ہیں۔ یہاں سے ہمیں پہاڑوں کے نیچے گنہگارا کا میدانی علاقہ بھی نظر آ رہا تھا۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں امداد خان نے آفریدیوں کی، مُغل فوج پر شاندار فتح میں ان کی قیادت کی تھی، بالائی تراہ میں آفریدیوں کا گرمائی مرکز قلعے کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ مگر چونکہ یہاں کوئی سڑک نہیں ہے، یہاں تک پیدل پہنچنے میں پانچ سے سات دن لگ جاتے ہیں۔

۱۹۱۰ء میں، انگریزوں کا تعمیر کردہ یہ علاقہ، انگریز راج کے دَوران پولیٹیکل ایجنٹ کی موسم گرما کی قیام گاہ کے طور پر بھی استعمال ہوتا تھا۔ گرمیوں میں ثمانہ کا موسم نہایت شاندار ہوتا ہے، اس وقت یہاں دھوپ چمکتی ہے، مگر خنکی برقرار رہتی ہے اس دوران کبھی کبھار موسم بہت ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔

ہم نے ایک رات قلعہ کے قریب ریسٹ ہاؤس میں بسر کی۔ یہ جگہ آزادی کے بعد تعمیر کی گئی تھی۔ انگریزوں کے زمانے میں، تمام

****

وادی کرم میں ایک طوری قصبہ

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

ریسٹ ہاؤس قلعہ کے اندر تعمیر کئے جاتے تھے۔ یہ ایک دلکش مقام ہے' کسی حد تک زیادہ گنجان ہونے کی وجہ سے مجھے پسند آیا۔ ہر جگہ گھر نظر آتے ہیں اور ہموار علاقہ زیرِ کاشت رہتا ہے۔ یہاں تک کہ غیر ہموار علاقے کو ہموار اور قابلِ کاشت بنایا گیا ہے اور وہاں فصل کاشت کی گئی ہے۔ آبادی کا یہ دباؤ یہاں حال ہی میں بڑھا ہے۔ تقریباً پچیس سال قبل اس علاقے میں کافی جنگلات تھے اور یہاں بہت سے جانور ملتے تھے۔ افسوس کہ پاکستان کے بیشتر حصوں میں یہی صورتحال ہے۔ جہاں آبادی میں تیز رفتار اضافہ علاقے پر بے پناہ دباؤ کا باعث بن گیا ہے۔ (برباد زمین کی وجہ سے) انسانوں اور جنگلی حیات پر تباہ کُن اثرات کے ساتھ' جنگلات کا خاتمہ اس کا براہِ راست نتیجہ ہے۔

اورک زئی تراہ

وادیِ کُرّم کے جنوب مشرق میں اورک زئی ایجنسی ہے۔ یہ تراہ پہاڑی سلسلے کے جنوبی حصے پر مشتمل ہے۔ چونکہ یہاں اورک زئی قبیلہ آباد ہے اس لئے یہ علاقہ اورک زئی تراہ یا زیریں تراہ کہلاتا ہے چونکہ میں اس علاقے میں کسی سے بھی واقف نہیں تھا' اس لئے میں نے یہاں جانے کے لئے پولیٹیکل ایجنٹ سے مدد مانگی۔ انتہائی مددگار ثابت ہونے کے باوجود وہ مجھے وہاں جانے دینے کے لئے تذبذب کا شکار تھا۔ اسے خطرہ تھا کہ اورک زئی قبیلہ انتظامیہ کو پریشان کرنے اور اپنے قبیلے کے لئے رعایتیں لینے کے لئے مجھے اغوا نہ کر لے۔ تاہم' میرے مضبوط ارادے کو دیکھتے ہوئے' اس نے اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ اور ایک مسلح حفاظتی دستے کو میرے ہمراہ کر دیا۔

جب ہم زیریں تراہ پہنچے تو یہ اوائل بہار کے دن تھے۔ ابھی برسات کا موسم ختم ہی ہوا تھا اور ہمارے اردگرد ہر جانب سبزہ اور شادابی تھی۔ پورے قبائلی علاقہ جات میں مجھے یہ سب سے زیادہ حسین منظر لگا ہم منگو سے کوہاٹ کی طرف روانہ ہوئے اور ۱۶ کلومیٹر بعد دریا کنارے وادی کے ساتھ ساتھ پہاڑوں میں داخل ہو گئے۔

جوں جوں ہم وادی میں اوپر چڑھتے گئے' گھروں کی قلعہ بندیاں فزوں تر ہو گئیں۔ اورک زئی تراہ کے مرکزی علاقے' کالیا' پہنچنے سے ذرا پہلے' گھر قرونِ وسطیٰ کے یورپی محلات سے مشابہہ لگنے لگے۔ حقیقت میں اگر یہاں بجلی کی تاریں نہ ہوتیں' تو کسی آنے والے کو یہ گمان ہو سکتا تھا کہ وہ قرونِ وسطیٰ کے یورپ میں پہنچ گیا ہے ----- فرق بس اتنا سا ہے کہ یہ قلعہ نما گھر مٹی سے بنے ہوئے ہیں۔ پورے قبائلی علاقہ جات میں گھروں کے بیرونی حصے کو مٹی سے بنانے کو ترجیح دینے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اینٹوں اور سیمنٹ کی نسبت مٹی کی دیواروں پر گولیاں کم اثر کرتی ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مٹی کی دیواروں سے اندرونی درجہ حرارت سردیوں میں گرم اور گرمیوں میں ٹھنڈا رہتا ہے۔ سیمنٹ کی دیواروں کا اثر اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔

شمالی تراہ پہاڑوں میں آفریدی قبیلہ بستا ہے۔ یہ خیبر ایجنسی کا حصہ ہے۔ جب ہم آفریدی تراہ اور اورک زئی تراہ کی درمیانی سرحد پر پہنچے تو ہمیں تراہ سے اتر کر کچے راستے کو اختیار کرنا پڑا۔ اس مقام پر ہمارے ہمراہ اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ کسی قدر مشتعل ہو گیا تھا۔ خاص طور پر جس وقت ہم بالائی تراہ کی طرف جاتے ہوئے ایک قصبے سے گزرے' اس کے چہرے سے تشویش صاف طور پر عیاں ہو رہی تھی۔ مگر اس کے احتجاج کے باوجود ہم قصبے میں داخل ہو گئے۔

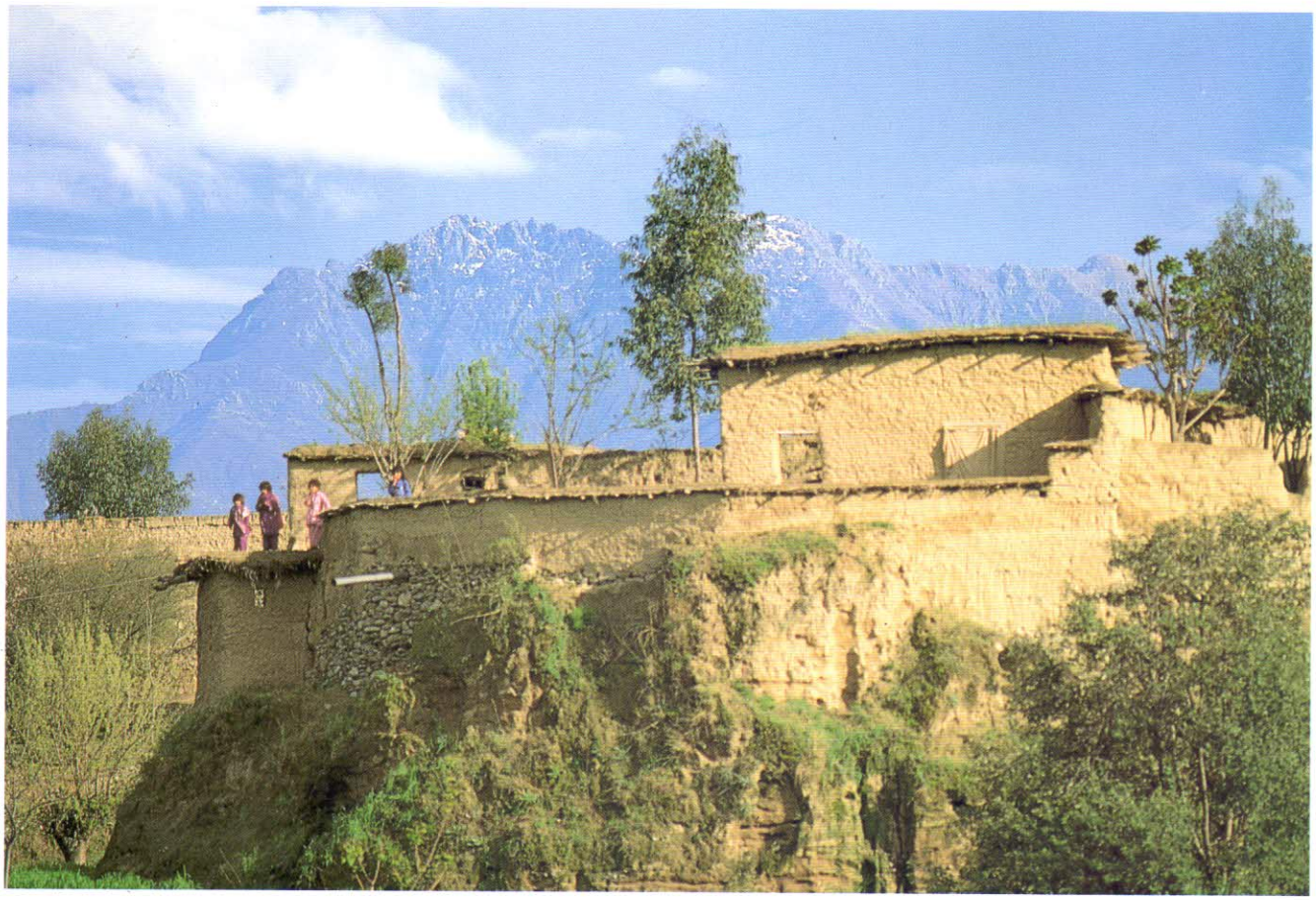
www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



یہاں بجلی بالکل نہیں تھی۔ کالیا کی طرح، یہاں بھی سب لوگ مُسلّح تھے، مگر یہ لوگ زیادہ جنگجُو دکھائی دے رہے تھے۔ تاہم جب ہم نے انہیں اپنے دورے کا مقصد بتایا، تو یہ انتہائی متواضع ہو گئے۔ فوراً ہی چائے تیار کروائی گئی۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ کسی بکرے یا مرغے کو دعوت کے لئے ذبح کرنا شروع کرتے، ہم نے انہیں روک دیا اور اصرار کیا کہ ہم زیادہ دیر تک یہاں نہیں رک سکیں گے۔ بہرطور، قبائلی علاقہ جات میں کہیں بھی جانے سے میں کبھی بھی خوفزدہ نہیں ہُوا۔ جہاں کہیں بھی قبائلیوں نے میرے بارے میں سُن رکھا تھا، وہ میرے ساتھ اس طرح برتاؤ کرتے جیسے میرا اُنہی کے قبیلے سے تعلق ہو۔ وہ میرے پٹھان ہونے میں بہت فخر محسوس کرتے تھے۔ اور جہاں کہیں بھی انہوں نے میرے یا کرکٹ کے بارے میں نہیں سنا ہوتا تھا، جیسا کہ اس قصبے میں معاملہ تھا، وہ پھر بھی میرے دورے کا مقصد جان کر میرے ساتھ گرم جوشی اور اپنائیت سے پیش آتے تھے۔ مجھے درپیش واحد مسئلہ اس موقع پر ہوتا تھا جب مجھے ان کی میزبانی کی دعوت سے انکار کرنا پڑتا تھا، بعض اوقات تو وہ اس سے تقریباً ناراض ہی ہو جاتے۔ اگرچہ مجھے احساس ہوتا تھا کہ میرے لئے یہ بات اتنی خوشگوار نہیں ہے۔

اوپر۔ اورک زئی تراہ میں کیمرے سے مسحور لڑکیاں۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



اگر اسسٹنٹ **پولیٹیکل** ایجنٹ مزید خطرات مول لینے سے انکار پر بضد نہ ہوتا' تو میں بالائی تراہ چلا جاتا۔ اس نے اصرار کیا کہ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو اس کی نوکری خطرے میں پڑ جائے گی۔ چنانچہ بادلِ نخواستہ میں نے واپسی اختیار کر لی۔ کسی بھی صورت میں' بالائی تراہ جانا چار دن کا معاملہ تھا۔ کیونکہ وہاں سڑکیں بالکل نہیں تھیں۔ یوں بھی موسم برسات کی بنا پر' چڑھے ہوئے پانی والے ندی نالوں کو عبور کرنا' خاصا بڑا مسئلہ ہوتا ہے۔

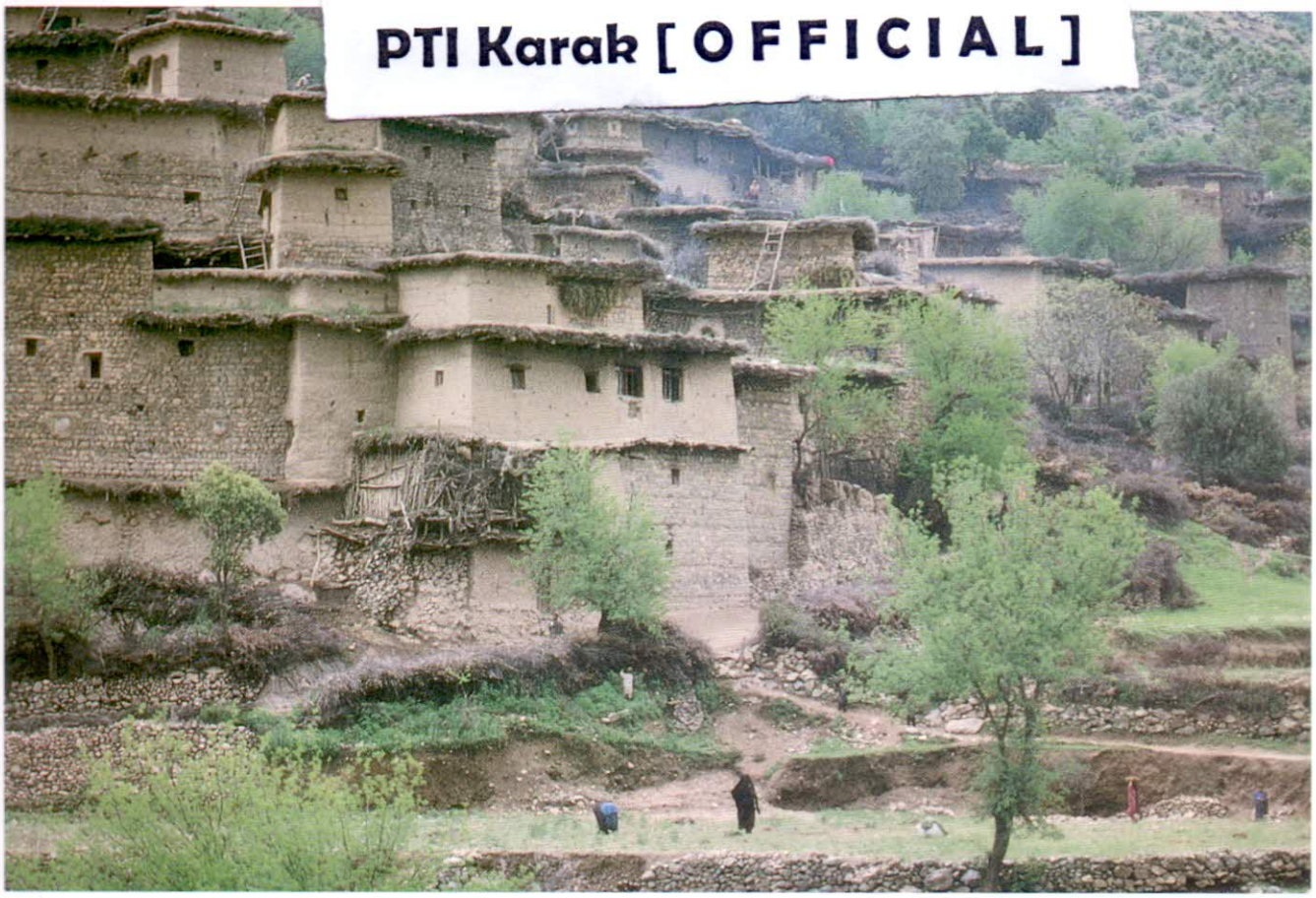
ہم دریائے برا کی وادی کے ساتھ ساتھ واپس آئے۔ جنگلی' حسین اور تقریباً بے آباد' یہ سرسبز وادی تھی اور جھاڑیوں سے اٹی ہوئی تھی۔ مگر صنوبر کے درخت صرف بلند اور ناقابلِ رسائی علاقوں میں نظر آ رہے تھے۔ دریائے برا کا پانی پینے کو کسی بھی دوسرے پانی سے بہتر سمجھا جاتا ہے۔ اس علاقے کے رہنے والے لوگ اور پشاور کے رہائشی بھی جو اس دریا سے پانی حاصل کرتے ہیں۔ اس بات کی قسم کھاتے ہیں۔ ان معدنیات کے علاوہ جو لوگوں کو غیر معمولی طور پر صحت مند رکھتی ہیں' یہ ہاضمے کے لئے بھی بہترین خیال کیا جاتا ہے۔ چکنائی میں سیخ پر بھُنے ہوئے جگر' میری پسندیدہ ڈش اور مٹن کبابوں پر مشتمل شاندار کھانا کھایا۔ اور برا پانی کے دو گلاسوں کے بعد' میں خود کو ایک مزید دعوت کے لئے تیار محسوس کر رہا تھا۔

****

اورک زئی تراہ میں یہ گھر ایک فطری قلعہ بندی (اونچی جگہ) پر تعمیر کیا گیا ہے یہ علاقہ وزیرستان سے بالکل مختلف ہے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

77
Join our Facebook Group
PTI Karak [OFFICIAL]



خیبر ایجنسی

آفریدیوں کی آبادی پر مشتمل خیبر ایجنسی میں درّۂ خیبر اور بالائی تراہ کا علاقہ شامل ہے۔ درّۂ خیبر کے بنجر اور ناموافق علاقے نے مجھے وزیرستان کی یاد دلا دی۔ مگر پاکستان سے افغانستان جانے والے مرکزی راستہ ہونے کی وجہ سے درّے کی اہمیت اور درحقیقت برّصغیر میں داخل ہونے کی راہداری کی وجہ سے یہاں کے لوگ بیرونی لوگوں کے عادی ہو چکے ہیں۔ باقی دنیا سے نسبتاً زیادہ کٹے ہوئے وزیرستان اور بالائی تراہ کے قبائلیوں کی نسبت یہ لوگ کم جنگجو واقع ہوئے ہیں۔

پھر بھی، پچھلے چار سو سالوں سے، آفریدی ایک خوفناک قبیلہ ثابت ہوئے ہیں جو مُغلوں، سکّھوں اور انگریزوں کے ساتھ بڑی خونخواری کے ساتھ نبرد آزما رہے ہیں۔ تراہ کی ناقابلِ رسائی بلندیوں اور اپنے سخت جان ہونے کی وجہ سے انہیں مطیع کرنا انتہائی مشکل تھا۔ اس مشکل آب و ہوا اور علاقے میں رہنے کی وجہ سے سخت کوشی ان کی فطرت میں رچی ہوئی ہے۔

آفریدیوں میں لوگوں کی نیلی یا سبز آنکھیں ہونا عام بات ہے۔ بیشتر قبائلی پٹھانوں کی طرح آفریدی بھی نیم خانہ بدوش واقع ہوئے ہیں۔ وہ

****

اورک زئی اور آفریدی تراہ کی سرحد پر، خچروں پر سوار ہو کر پہنچنے والا یہ علاقہ، وہ آخری قصبہ تھا جہاں تک میں تراہ میں پہنچ سکا۔ یہاں کے رہائشی، جو سب مسلح تھے، وحشی لگتے تھے لیکن درحقیقت بہت دوست اور مہمان نواز ثابت ہوئے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

گرمیاں بالائی برا اور میدان (بالائی تراہ) میں گذارتے ہیں اور بالائی تراہ کی شدید سردی کی وجہ سے سردیوں میں بازار اور کھجوری کی طرف نقلِ مکانی کر جاتے ہیں۔ زیادہ خوشحال آفریدی خاندان سردیوں میں پشاور منتقل ہو جاتے ہیں۔

بالائی تراہ میں آفریدی 'ہمسایوں' کے ساتھ رہتے ہیں۔ ہمسایہ کسی قبیلے سے ملحق کمزور گروہ کے افراد کو کہا جاتا ہے۔ اور یہ زیادہ تر ہندوؤں اور سکّھوں پر مشتمل ہیں۔ سکّھوں' ہندوؤں اور پٹھانوں میں آپس میں شادیاں نہیں ہوتیں اور ہمسایہ ایک خفیف حد تک ماتحت درجے پر ہوتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود انہیں قبائلی تحفّظ' قبائلی حقوق اور تمام سہولتیں حاصل رہتی ہیں۔ اس صدی کے آغاز تک' وہ سرخ دھاری دار پائجامے پہنتے تھے' تاکہ انہیں باقی پٹھانوں سے ممیّز کیا جا سکے اور ان کی حفاظت کی جا سکے۔ بنیادی طور پر تاجر ہونے کی وجہ سے ہمسایوں کو ان کاموں کے لئے لایا گیا تھا جو قبائلی خود نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اکثر اوقات موسیقاروں کو یہاں لا کر بسایا جاتا تھا۔ کیونکہ اگرچہ پٹھان موسیقی تو پسند کرتے ہیں' موسیقار بننے کو احسن خیال نہیں کیا جاتا' دوسرے قبائلی علاقہ جات میں بھی یہ معمول مروّج تھا مثلاً بستی پٹھاناں (جالندھر میں رہنے والے برکی) میں کوئی پٹھان موسیقار نہیں تھا اور قبائلی علاقہ جات میں آج بھی یہی دستور ہے۔

کابل کی طرف ایک سفارتی مشن کے قائد' الفنسٹن نے شمال مغربی سرحد میں انگریزوں کی آمد کی علامت کے طور پر درّہ کوہاٹ کی چوٹی پر' بوستی خیل آفریدیوں کے ساتھ ایک پکنک منائی تھی اور کابل کی طرف جانے والے ایک اور برطانوی ایجنٹ' الیگزینڈر برینز کو یاد رہا کہ ۱۸۳۰ء کی دہائی میں بھی' جب وہ جلال آباد سے گزرا' تو عیسائی ہونے کے باوجود اسے ایک مسجد میں سونے کی اجازت دے دی گئی تھی۔ یہاں بے حد مذہبی رواداری مروّج تھی۔ مگر جب ۱۸۴۰ء کی دہائی کے اوّلین سالوں میں' انگریز پنجاب کے حکمران بن گئے' تو ان کا براہِ راست آفریدیوں سے سابقہ پڑا جنہوں نے ان سے تصادم کی راہ اپنائی۔

یوں' اگلی نصف صدی تک' انگریزوں کو انہیں مطیع کرنے کے لئے بہت سی فوجی مہمات روانہ کرنا پڑیں۔

۱۸۹۶ء میں انگریزوں نے آفریدیوں اور اورک زئیوں کے خلاف تراہ مُہم کا آغاز کیا۔ یہ دونوں قبیلے ان کی مزاحمت کے لئے متحد ہو گئے تھے۔ اس علاقے کی تاریخ کے سب سے بڑے آپریشن میں حصہ لینے کے لئے جنرل میک ہارٹ کی زیرِ کمال ۶۰٬۰۰۰ سپاہی روانہ کئے گئے۔ میدان میں اپنا ہیڈکوارٹر قائم کرنے کے بعد' انہوں نے ہر طرف' سزا دینے کے لئے فوجی دستے بھیجے' جنہوں نے تمام پھلدار درختوں خصوصاً اخروٹ کے درختوں کو تباہ کر دیا اور قصبوں کو نذرِ آتش کر دیا۔ اس کے باوجود اگرچہ اس آپریشن کی وجہ سے دونوں قبائل عارضی طور پر مطیع ہو گئے' اس سے بہت کم کامیابی حاصل ہو سکی۔ پٹھانوں کی تعداد اگرچہ بہت کم تھی اور ان کے پاس بندوقیں بھی بہت کم تھیں' انہوں نے گوریلا جنگ اپناتے ہوئے انگریزوں کو پشاور کی طرف پسپائی پر مجبور کر دیا اور چند سالوں بعد' آفریدیوں اور اورک زئیوں نے پہلے کی طرح برطانوی ہند پر اپنے حملے شروع کر دیئے۔ اس کے بعد انگریزوں نے کبھی تراہ کی جانب مُہم جُوئی نہیں کی۔

اے مرے فقرِ غیوّر فیصلہ تیرا ہے کیا
خلعتِ انگریز یا پیراہنِ چاک چاک



سامنے اوپر۔ قبائلی علاقہ جات میں ہتھیار نہایت اعلیٰ اور جدید ہوتے ہیں۔ درہ خیبر کے ان نوجوان مسلح آفریدیوں کے اسلحہ میں راکٹ لانچر شامل ہے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com





www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



تقسیم کرو اور حکومت کرو

آفریدیوں سے معاملہ کرنے میں، انگریز صورتحال کو اپنے حق میں استعمال کرنے کی زبردست خوبی کے ساتھ ساتھ اپنی تمام سفارتی مہارت استعمال کرنے پر مجبور ہو گئے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ قبائل کو اپنی تمام تر توانائیاں انگریزوں کے ساتھ جنگ میں استعمال کرنے سے روکنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ انہیں آپس میں برسرِپیکار رکھا جائے۔ ایک ایسی قوم پہ 'تقسیم کرو اور حکومت کرو' کی حکمت عملی بہت آسان تھی، (جس میں قبائل کے اندر اور بین القبائلی تنازعات عام ہوں) مثلاً انگریز آدم خیل آفریدیوں یا بنگشوں یا اورک زئیوں کو درّہ کوہاٹ اپنے زیرِنگیں رکھنے کے عوض وظائف ادا کرتے تھے، چنانچہ اگر باقی دو قبائل میں سے وہاں کوئی حملہ کرے، تو رقم وصول کرنے والا قبیلہ ان کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیتا تھا۔ درّہ خیبر میں، انگریز اس معاملے میں کم کامیاب رہے، کیونکہ کوکی خیل آفریدیوں کو رشوت دینا محال تھا۔

تیسری افغان جنگ کے دوران، اورک زئی افغان بادشاہ کی مدد کرنا

اوپر۔ درہ خیبر کے ایک قصبے میں آفریدیوں کے ساتھ ایک ضیافت۔ (میراکزن سہیل خان دائیں طرف بیٹھا ہے) آفریدی درے سے گزرنے والے ہر کسی سے ٹیکس لینا اپنا حق سمجھتے تھے۔

سامنے۔ اوپر۔ درہ خیبر میں سکاؤٹوں کے ساتھ۔ سامنے۔ نیچے۔ مشہور درہ خیبر۔ ریلوے اور سڑکیں انگریزوں کی اہم کامیابیاں تھیں۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

چاہتے تھے۔ مگر وہ انگریزوں کی وجہ سے ایسا کرنے میں ناکام رہے۔ جنہوں نے ایک مُلّا کو پیسے دے کر تراہ میں شیعہ سُنّی تصادم کروانے کے لئے استعمال کیا۔ اس کے نتیجے میں ہونے والی، سُنّی آفریدیوں اور شیعہ اورک زئیوں کے مابین لڑائی میں بہت سے پھلدار درخت تباہ ہو گئے اور کچھ نوجوان مارے گئے۔ انگریزوں نے کچھ مُلّاؤں کو افغانستان کے سیماب صفت بادشاہ امان اللہ کے خلاف لوگوں کو بدظن کرنے کے لئے مُہم چلانے کے لئے بھی رشوت دی۔ مُلّاؤں نے دعویٰ کیا کہ بادشاہ کے جدیدیت کے منصوبے غیر اسلامی تھے۔ (انگریز افغانستان میں کسی ایسی ترقی پسند اور جدید مُسلم حکومت کا قیام نہیں چاہتے تھے جس پر وہ قابو نہ پا سکتے ہوں۔ مزید برآں ایک مضبوط افغانستان کے ہندی مسلمانوں اور پٹھان قبائل پر دُوررس اثرات مرتّب ہو سکتے تھے)۔





درّۂ آدم خیل کی اسلحے کی دکانیں

آفریدیوں نے، جو زبردست کاروباری لوگ ہیں، درّہ کوہاٹ کے تنگ ترین حصے میں واقع، درہ آدم خیل کے قصبے میں۔ اپنی بندوق ساز فیکٹریاں قائم کر رکھی ہیں۔ انیسویں صدی میں، قصبے میں انگریزی بندوقوں کی نقل میں بندوقیں بننا شروع ہو گئیں۔ اگرچہ یہ نقل اچھی ہوتی تھی، تاہم ان کے بولٹ تیار کرنا سب سے بڑا مسئلہ ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ انگریز سپاہیوں سے بولٹ چُرانے کے انوکھے طریقے وضع کرتے تھے۔ ایک صدی سے زائد، درہ آدم خیل مکمل طور پر بندوقیں اور اسلحہ بنانے والوں کے سپرد ہے۔ اسلحے کی دکانیں، جن کے پیچھے ورکشاپ ہیں۔ مرکزی گلی اور عقبی تنگ راستوں پر واقع ہیں۔ اس خاندانی کاروبار میں، تمام دنیا کے اسلحے کی نقل تیار ہوتی ہے یہ ہُنر باپ سے بیٹوں میں منتقل ہوتا ہے، اور بچے بہت ماہر کاریگر بن جاتے ہیں۔

قبائلی پٹھانوں کے نزدیک کسی کے لئے انتہائی ذِلّت کا مقام یہ ہے کہ اس سے اس کی بندوقیں چھن جائیں۔ کوئی شخص، اپنے دشمن کے ہاتھوں زبردستی بندوق چھین لئے جانے کی نسبت مرجانے کو ترجیح دے گا۔ میرے محسود دوست، دوست محمد نے مجھے بتایا کہ کس طرح ایک دفعہ تین مُسلّح آدمیوں نے اس سے اس کی رائفل چھیننے کی کوشش کی تھی۔ اس وقت وہ سکول میں پڑھتا تھا اور اس بات پر ششدر رہ گیا تھا۔ تاہم اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس ذِلّت پر موت کو ترجیح دے گا۔ اس کے استقلال کو دیکھتے ہوئے، وہ لوگ اس کی ہمت سے بہت متاثر ہوئے اور اسے جانے دیا۔

www.facebook.com/PK322

www.freepdfpost.blogspot.com



مہمند ایجنسی

مہمند ایجنسی خیبر کے شمال میں واقع ہے۔ یہ مہمند اور صافی قبائل کا وطن ہے (بالترتیب جنوبی اور شمالی نصف علاقے) مشرقی سرحد پر کچھ اتمان خیل بھی آباد ہیں۔ اس کے مضافات بہت ویران ہیں۔ شمالی قبائلی علاقے کے بہت سے حصوں مثلاً کُرّم، اورک زئی تراہ، اور مہمند کے شمال کی جانب باجوڑ ایجنسی کے سرسبز پہاڑوں اور وادیوں کے شدید برعکس یہ حصہ مجھے خشک، بے آب و گیاہ میدانوں اور بنجر پہاڑوں والا علاقہ دکھائی دیا۔ اس بے ثمر علاقے کے نتیجے میں، بڑے پیمانے پر آبادی مشرق کی جانب پشاور کی وادی میں منتقل ہو چکی ہے اور اکثر مہمند آباد علاقہ جات میں کھیتی باڑی کرتے نظر آتے ہیں۔

مہمند میں اپنے سفر کے دوران رونما ہونے والے ایک واقعہ سے مجھے پٹھانوں کی ایک دلچسپ خصوصیت کا پتہ چلا۔ ہم ایک خندق کی تصویر لینے والے تھے جسے چرچل نے اس وقت استعمال کیا تھا جب وہ اس صدی کے اوائل میں ایک جنگی نامہ نگار کے طور پر یہاں آیا تھا۔ ہمارے سامنے ایک مُسلّح دستہ تھا جبکہ پیچھے ایک اور تھا۔

جب ہم ایک جیپ سے آگے نکلنے لگے، تو ہمارے ڈرائیور کی توجہ مرتکز نہیں تھی حادثاتی طور پر اس نے گاڑی جیپ کی ایک طرف

درہ آدم خیل میں اسلحے کی ایک دکان۔ اس سارے قصبے میں اسلحہ سازی کی جاتی ہے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



۱۸۹۷ء میں ونسٹن چرچل، جو کہ اس وقت لندن کے روزنامہ ڈیلی ٹیلی گراف کا جنگی نامہ نگار تھا، نے اسی چوکی سے مہمند ایجنسی کے عین مشرق میں ہونے والی ایک بغاوت کا احوال نامہ لکھا اور بمشکل اس کی جان بچ سکی تھی۔ اسے چرچل پیکٹ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور یہاں سے وادی سوات کے وسیع مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اس کے سامنے کے منظر میں ۲۰۰۰ برس پہلے کے بدھسٹ کھنڈرات ہیں۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



سے ٹکرا دی۔ یہ ایک معمولی سا دھکا تھا' اور ہم میں سے کوئی بھی اس پر توجہ دیئے بغیر اپنے سفر پر گامزن رہا۔ تاہم جیپ کے ڈرائیور نے ہمیں آ لیا اور ہمیں رکنے کا اشارہ دیا ----- ہم اس پر رک گئے۔ ایک پچاس سالہ مہمند قبائلی جیپ سے باہر کودا' وہ غصے سے نیلا پڑ رہا تھا۔ اس نے ہمارے ڈرائیور کو پشتو میں مخاطب کیا اور اس سے وضاحت طلب کی۔ میں اس پر حیران رہ گیا۔ کیونکہ ہمارے ڈرائیور کا تعلق سکاؤٹس سے تھا' وہ ایک دراز قد اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک تھا' اور وہ بذاتِ خود ایک قبائلی پٹھان تھا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ ہمارا ڈرائیور مُسلّح تھا' جبکہ مہمند قبائلی نہتا تھا۔ مزید برآں' اس موقع پر ہمارے آگے چھ مُسلّح قبائلی تھے اور مزید چھ مسلح قبائلی پچھلی وین میں ہمارے ہمراہ تھے۔

دونوں پارٹیوں میں طاقت کے شدید عدم توازن کے باوجود' میں یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ہمارا ڈرائیور شدّت سے معذرت کر رہا تھا اور انتہائی ڈرپوک دکھائی دے رہا تھا اس بات سے مطمئن ہو کر کہ اس نے ڈرائیور سے معافی منگوالی ہے' وہ واپس جیپ میں بیٹھا اور چلا گیا اگر کسی قبائلی کو یہ پتہ ہو کہ وہ غلطی پر ہے' تو وہ کسی بھیڑ کی طرح مسکین اور ڈرپوک ہو جاتا ہے ----- مگر اگر وہ سمجھے کہ وہ حق پر ہے اور اسے یہ احساس ہو کہ اس کے ساتھ ناانصافی برتی گئی ہے' تو وہ ایک زخمی شیر بن جاتا ہے۔ کاش کہ ہم پاکستانیوں میں یہ جذبہ آ جائے کہ ہم ناانصافی کے آگے سینہ سپر ہو جائیں تو پھر کبھی بھی یہ سیاستدان ہمیں زیر نہیں کر سکتے مگر بدقسمتی یہ کہ ہم بھیڑ بکریوں کی طرح ان کی جائز ناجائز خواہشات کے آگے اپنا ضمیر بیچ دیتے ہیں اور ان کو من مانی کرنے دیتے ہیں۔

ہم دریائے کابل پر واقع وارسک ڈیم کے اردگرد مہمند کے حسین

اوپر۔ مہمند میں وارسک ڈیم کے قریب ایک آفریدی ملک مجھ سے باتیں کرتے ہوئے۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں سکندر اعظم نے دریائے کابل کے ساتھ ساتھ اپنا سفر شروع کیا (اور) بالآخر دریائے سندھ کی ترائی میں بحیرۂ عرب تک پہنچا۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

ترین علاقے میں گئے۔ یہ وہ مقام تھا جہاں ۳۲۰ قبل مسیح میں، سکندر نے دریائے کابل اور پھر عظیم دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ نشیب کی طرف اپنا سفر شروع کیا۔

گزر جا بن کے سیلِ تُند رَو کوہ و بیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جُوئے نغمہ خواں ہو جا

شمالی قبائلی علاقے کے بیشتر حصے کی طرح، باجوڑ ایجنسی سرسبز ہے۔ یہاں کی زرعی زمین بہت زرخیز ہے اور یہاں کی پیداوار سارے علاقے کو خوراک مہیا کرنے کے لئے کافی ہوتی ہے ہم نے دیکھا کہ لوگ ہر وقت مُسلّح نہیں رہتے تھے اور یہاں کی فضا عمومی طور پر پُرامن ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ایجنسی کے شمالی نصف حصے کے مکین، دو بڑے زمینداروں، یا خانوں کے لگان دار ہیں۔ بیشتر علاقہ انہی زمینداروں کی ملکیت ہے۔

○

شمالی ترین ایجنسی: باجوڑ

قبائلی علاقہ جات کی ایجنسیوں میں، سب سے شمال میں واقع باجوڑ ایجنسی، ترکلانی اور اتمان خیل قبائل کا وطن ہے۔ میں وہاں اس وقت گیا جب پاکستان نے ۱۹۹۲ء کا کرکٹ ورلڈ کپ جیتا تھا۔ یہاں میرا جس طرح استقبال کیا گیا، وہ کافی گورام کے معیار سے بھی زیادہ ہنگامہ خیز تھا۔ جونہی وہاں میری آمد کی خبر پھیلی، باجوڑ کے نوجوانوں کے ہاتھ جس طرح کی بھی سواری گاڑی آئی، وہ اس پر سوار ہو کر میرے پیچھے چلے آئے۔ اس طرح کے پُرجوش استقبال کا مرکز بننا بہت اچھا لگا۔ اگرچہ اس سے ہمارا سفر منصوبے کے مطابق نہ رہا اور خاص طور پر فوٹو گرافی بہت متاثر ہوئی۔

کئی اعتبار سے، باجوڑ کے اس علاقے کو جاگیردارانہ کہا جا سکتا ہے۔ درحقیقت ۱۹۷۴ء تک خانوں کو اپنی رعایا پر مطلق جاگیردارانہ اختیار حاصل تھا، ۱۹۷۴ء میں حکومت نے یہ اختیارات واپس لے لئے اور انکے پاس ان کی جائداد اور سردار کا درجہ رہنے دیا۔ اس کے باوجود انفرادی طور پر کسان بے پناہ عزّتِ نفس کا مالک ہے۔ اس کے باوجود کہ زمیندار طاقتور ہیں، انہیں اپنے مزارعوں کے ساتھ برتاؤ میں انتہائی محتاط ہونا پڑتا ہے (پاکستان کے دوسرے علاقوں سے ایک نمایاں فرق ہے۔ مثلاً سندھ کے صوبے میں لوگوں نے اعلیٰ طبقات کے ہاتھوں بڑی ہزیمت اٹھائی ہے۔ اور سندھ اور پنجاب کے دونوں صوبوں میں، جاگیردارانہ ڈھانچے میں غریب لوگ انتہائی غلامانہ اور ذِلّت کے مارے ہوتے ہیں)

ایجنسی کا جنوبی نصف حصہ اتمان خیل قبیلے پر مشتمل ہے۔ پٹھانوں کی کرملانی شاخ کا حصہ ہونے کی وجہ سے وہ اپنی فطرت کے مطابق بہت زیادہ جمہوری واقع ہوئے ہیں۔ یہاں نہ تو خانوں کے طاقتور اور بااثر ہونے کا جاہ و جلال ہے، اور نہ ہی ترکلانیوں میں پایا جانے والا جاگیرداری ڈھانچا ہے۔ اس کے بجائے وہاں ملکوں کی ایک کثیر تعداد ہے، جو صرف اسی صورت میں ذیلی قبائل کی راہ نمائی کر، اور ان پر اثر رکھ سکتے ہیں اگر ان کی حکمت عملی قبیلے کی بہتری میں معاون ہوتی نظر آئے۔

سامنے۔ باجوڑ میں ہجوم ہمارا استقبال کر رہا ہے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com





www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



باجوڑ میں مجھے ایک مقامی لڑائی کے مشہور المیے کے بارے میں بتایا گیا۔ میمونہ بے پناہ حسن کی مالک ایک نوجوان دوشیزہ تھی اور باجوڑ میں ہر کسی کو اس کے حسن کے بارے میں علم تھا۔ اس کی شادی اپنے قبیلے کے ایک مغرور اور وجیہہ نوجوان، شیر عالم سے ہو گئی۔ ایک دفعہ جب وہ کہیں گیا ہوا تھا، ایک اجنبی نے اس کے دروازے پر دستک دی۔ جب میمونہ نے دروازہ کھولا، تو اس شخص نے پوچھا کہ کیا اسے کچھ تمباکو مل سکتا ہے۔ اس نے اسے کچھ تمباکو دیا اور واپس چلی گئی۔ جب شیر عالم واپس آیا تو اسے بتایا گیا کہ اس کی بیوی نے کسی اجنبی کو تمباکو دیا تھا۔ وہ طیش میں آ گیا، میمونہ نے یہ کہتے ہوئے اس سے معذرت چاہی کہ اسے علم نہیں تھا کہ اس بات میں کوئی بُرائی تھی۔

دو دنوں تک شیر عالم اس مخمصے میں پھنسا رہا۔ اس بات کو جانتے ہوئے کہ گاؤں والوں کو اس واقعہ کا علم تھا، اسے اس بات پر ذِلّت محسوس ہوتی کہ اس کی بیوی نے کسی اجنبی کے لئے گھر کا دروازہ کھولا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اس سے شدید محبت بھی کرتا تھا اور یہ تصوّر بھی نہیں کر سکتا تھا، کہ کوئی اور اس کی جگہ لے۔ دو دنوں بعد اس نے اپنا ذہن تیار کر لیا: وہ بے عزتی کے احساس کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے میمونہ کو قتل کر دیا۔

****

باجوڑ اور افغانستان کی سرحد پر درۂ نادا میں بکری کے گوشت سے بنے لذیذ تکوں سے ہماری تواضع کی گئی

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



جس وقت یہ خبر پھیلی، دیہات کے لوگ اس قدر طیش میں آئے کہ انہوں نے شیر عالم کو باجوڑ کی وادی سے باہر نکال دیا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ انہوں نے اس کو قتل کیوں نہیں کیا۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ اس کے لئے اس سے بڑی سزا اور کیا ہو سکتی تھی کہ وہ اپنی زندگی حسین میمونہ کے بغیر گذارے؟ مزید یہ کہ قبیلے کے کچھ افراد اس سے ہمدردی بھی رکھتے تھے، کہ اس نے غیرت کی وجوہات کی بنا پر اسے قتل کیا تھا اور یہ کہ اس کو قتل کرنے پر خود کو تیار کرنے سے قبل، وہ خود ہزاروں بار موت سے دوچار ہُوا ہو گا۔

Join our Facebook Group

PTI Karak [OFFICIAL]

باجوڑ میں پرجوش نوجوانوں نے ہمارا سواگت کیا۔ وہ ورلڈ کپ میں ہماری فتح سے سرشار تھے۔

www.facebook.com/PK322

www.freepdfpost.blogspot.com

بابِ چہارم

پاوینڈے



Join our Facebook Group
PTI Karak [O F F I C I A L]

قبائلی علاقہ جات میں، سردیوں میں نیچے ہندوستان اتر آنے اور گرمیوں میں واپس افغانستان لوٹ جانے والے خانہ بدوش پٹھان قبائل پاوینڈے، مجھے سب سے زیادہ مسحور کُن اور دلکش لوگ لگے۔ ہر سال، درّہ گومل کے راستے، ۲۰،۰۰۰ سے ۳۰،۰۰۰ تک پاوینڈے افغانستان سے قبائلی علاقہ جات میں داخل ہوتے ہیں۔ وہ عسکری انداز میں یہاں آتے تھے کیونکہ جب وہ ڈیرہ جات میدانوں کے قبائلی علاقوں سے گزرتے، تو انہیں محسود قبائل کے مسلسل اور کبھی کبھار وزیری قبائلیوں کے حملے کا سامنا رہتا تھا۔ برطانوی راج کے دوران انہیں سکاؤٹس (وہ سپاہی جنہیں قبائل سے بھرتی کیا جاتا تھا اور انہیں خاص طور پر قبائلی علاقہ جات کے معاملات سے نمٹنے کی تربیت دی جاتی تھی) کے ذریعے تحفّظ فراہم کیا گیا اور اس کے صلے میں ان سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ محسودوں کے ساتھ لڑائی میں انگریزوں کی مدد کریں گے یا انہیں اطلاعات فراہم کریں گے۔

****

شمالی وزیرستان میں پاوندے خیمہ زن ہیں۔ پاوندے اپنے جانوروں کے ساتھ مکمل سکون سے زندگی گزارتے ہیں۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

90



تاہم آزادی کے بعد سے، محسودوں کے ان کو ہراساں کرنے کے بہت کم واقعات رونما ہوئے ہیں درحقیقت محسودوں اور کچھ پاوندہ قبائل کے درمیان آپس میں شادیاں اور کچھ اتحاد طے پا گئے ہیں۔

۱۹۶۱ء میں پختون خوا تحریک (ایک پٹھان وطن کے لئے تحریک) کی وجہ سے پاوندوں کے پاکستان میں داخل ہونے پر پابندی عائد کر دی گئی تھی۔ یہ خیال کیا جاتا تھا کہ افغانستان خانہ بدوشوں کے ذریعے تخریب کار عناصر کو پاکستان بھیج رہا ہے۔ اس کے نتیجے میں انہیں شدید مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ اور اکثریت کو فاقوں سے دوچار ہونا پڑا۔ مزید یہ کہ، شمال مغربی سرحدی صوبے کی اکثریت کو پاوندہ تجارت پر انحصار کرنے کی وجہ سے زبوں حالی کا شکار ہونا پڑا۔ اس کے بعد، افغان حکومت نے اکثر پاوندوں کو شمالی افغانستان میں آباد کر دیا۔ ۱۹۷۹ء میں افغانستان میں روسی حملے کے نتیجے میں، جنرل ضیاء نے پاوندوں کو پاکستان آنے کی اجازت دے دی۔ مگر اب وہ مہاجر تھے۔ آجکل، پاوندے صرف جنوبی وزیرستان سے سردیوں میں پنجاب اور سندھ میں داخل ہوتے ہیں اور پھر گرمیوں میں جنوبی وزیرستان کے پہاڑی علاقوں میں واپس چلے جاتے ہیں اور ان کی تعداد، خصوصاً افغان جنگ کے نتیجے میں، گھٹ گئی ہے۔ تاہم ایک قلیل حصے نے، جنگ کے باوجود اپنے روایتی راستوں کو برقرار رکھا ہے۔ یہ لوگ افغانستان میں غزنی کے مقام سے پاکستان کی طرف سفر کرتے ہیں۔

دوسرے پٹھانوں میں پاوندوں کو حقارت سے دیکھنے کا رجحان پایا جاتا ہے اس لئے کہ انہیں دوسروں سے ان کے علاقوں سے گذرنے کے لئے اجازت حاصل کرنا پڑتی ہے۔ ایک پٹھان کے لئے کسی دوسرے کے رحم و کرم پر ہونا، اس کی شکست تصوّر کیا جاتا ہے ---- وہ اپنی آزادی کو ہر شے پر فوقیت دیتے ہیں۔ تاہم میرا خیال ہے کہ پاوندے سارے

اوپر۔ پاوندہ اپریل میں پنجاب کی سرزمین سے لوٹتے ہوئے شاہو رتنگی کی گھاٹی سے گزر رہے ہیں۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

91



Join our Facebook Group

PTI Karak [O F F I C I A L]

پٹھان قبائل میں سب سے زیادہ مُہم جُو اور باہمّت لوگ ہیں۔ ایک زمانے میں وہ ایسے تاجر تھے جو افغانستان اور وسطِ ایشیا سے اشیاء لا کر ہندوستانی منڈیوں میں فروخت کیا کرتے تھے۔ پاکستان بننے سے قبل، وہ کلکتہ تک جا پہنچتے تھے۔ موسم بہار میں، ہندوستان سے لائی ہوئی اشیاء فروخت کرنے کے لئے افغانستان اور جنوبی وزیرستان میں اپنے وطن واپس آتے تھے۔

تجارت ان کی نقلِ مکانی کی بڑی وجہ نہیں رہی کیونکہ بہتر ذرائع مواصلات کی وجہ سے تجارت کی یہ قسم متروک ہو چکی ہے۔ اب ان کی نقلِ مکانی بنیادی طور پر اپنی بقا کے لئے ہے۔ وہ آباد علاقوں میں اپنے لئے ملازمت اور اپنے جانوروں کے لئے نئی چراگاہوں کے متلاشی رہتے ہیں۔ پنجاب اور سندھ کا پیچیدہ نظامِ آبپاشی بڑی حد تک پاویندوں کا رہینِ منّت ہے۔ کچھ نہروں کی کُھدائی اور اُن میں سے بہت سی نہروں کی صفائی ان کے ذِمّے تھی۔ پاویندے انتہائی جفاکش ہیں اور تھوڑی سی رقم پر بھی کام کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ ان کے لئے، شہروں کی ملازمتیں، ان کی مُشقّت سے بھری خانہ بدوش زندگی کی نسبت زیادہ آسان ہیں۔ وہ اپنی ایمانداری کی وجہ سے بھی مشہور ہیں۔

اسلامی نکتۂ نگاہ سے پاویندوں کے کردار میں واحد خامی یہ ہے کہ صدیوں سے سُود پر رقم کی فراہمی کا کام کرتے آئے ہیں اسلام میں ایک گراں قدر سُود کی شرح پر رقم فراہم کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی وجہ سے صدیوں سے، بہت سے خاندان تباہ ہو چکے ہیں۔ سود پر رقم قرض دینے کے علاوہ، باقی ہر اعتبار سے، پاویندے پکّے مسلمان ہیں۔

اوپر۔ وانا کے نزدیک پاوندوں کی خیمہ زنی۔ یہاں انہیں امن سے رہنے کے لئے وزیریوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔

www.facebook.com/PK322

www.freepdfpost.blogspot.com

92



پٹھان بادشاہتیں

پاویندوں کے بارے میں سب سے حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یہ صرف وہی پٹھان تھے جنہوں نے ہندوستانی برّصغیر میں بادشاہتیں قائم کیں۔ دو صدیوں تک ہندوستان پر خلجیوں، لودھیوں اور سُوریوں کی حکومت رہی ----- یہ وہ پٹھان خانوادے تھے جن کا تعلق پاویندہ قبائل سے تھا۔ ۱۵۲۶ میں بابر نے آخری پٹھان سلطان سے یہ سلطنت چھین کر مُغلیہ بادشاہت کی بنیاد ڈالی لیکن دہلی میں پٹھان بادشاہت کے مُغلوں سے شکست کھانے کے باوجود، ایک اور پاویندہ قبیلہ، نہرانی، تقریباً ایک سو سال تک بنگال اور بہار پر حکمران رہا۔

لودھی اور سُوری قبائل، میرے والد کے قبیلے نیازیوں کے قرابت دار ہیں شیر شاہ سُوری کا دَور نیازیوں کا سنہری زمانہ تھا۔ یہ بات مانی جا سکتی ہے کہ شیر شاہ سُوری، جس نے بابر کے بیٹے ہمایوں کو اقتدار سے محروم کیا تھا، عظیم ترین پٹھان بادشاہ تھا۔ شیر شاہ سُوری نے ۱۵۳۹ء سے لیکر، ۱۵۴۵ء میں اپنی وفات تک ہندوستان پر حکومت کی۔ اس کے ایک ممتاز جنرل اور پنجاب کے گورنر، ہیبت خان نیازی کا تعلق میرے اجداد سے

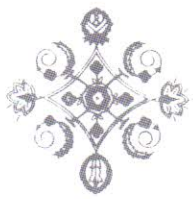
جدید اوقات کی ضرورت: ٹریکٹر ٹرالی۔ تاہم اونٹ اب بھی استعمال کئے جاتے ہیں

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

93

ہے۔ شیر شاہ سُوری کی وفات کے بعد اس نے تخت حاصل کرنے کی کوشش کی، مگر اس نے شکست کھائی اور مارا گیا۔ اس کے بعد سے نیازی کبھی بھی اقتدار میں شریک نہیں رہے۔ آج کل، ان کی اکثریت، دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر، عیسیٰ خیل اور میانوالی کے اضلاع میں آباد ہے۔ بلوچستان اور افغانستان میں غزنی کے مقام پر بھی کچھ نیازی آباد ہیں اور ابھی بھی کچھ نیازی پاوینڈے ہیں جو ہر سال جنوبی وزیرستان میں زرمیلان کے میدانی علاقوں کی طرف آتے ہیں تاہم افغان جنگ کے بعد سے، ان میں سے اکثر ڈیرہ اسماعیل خان میں آباد ہو گئے ہیں۔

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کُہستانی
(اقبال)



ایک اوّلین دوستی

یہ حقیقت تھی کہ ان خانہ بدوشوں میں اس قدر اہلیت تھی کہ وہ خود کو بیشتر برِّصغیر کا حکمران بنا سکتے تھے، اس بات نے مجھ میں ان پاویندوں میں بے پناہ دلچسپی پیدا کر دی تھی۔ تاہم، ان میں میری دلچسپی محض انکے شاندار ماضی کی وجہ سے نہیں تھی---- میں اپنے لڑکپن کے زمانے سے ان سے متاثر تھا۔ جب میں سات برس کا تھا۔ میرے والدین کو ایک پاویندہ لڑکے پر رحم آگیا جو کچھ اشیاء بیچنے لاہور آیا تھا۔ پندرہ سال کا ہونے کے باوجود، احمد برائے نام ہی اردو بول سکتا تھا۔ جب یہ پتہ چلا کہ وہ کئی دنوں سے بھُوکا ہے، تو انہوں نے اسے پناہ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ آہستہ آہستہ پتہ چل گیا کہ وہ اپنے باقی قبیلے سے کیوں بچھڑا ہوا ہے۔ احمد نے ایک لڑائی کے دوران اپنے عم زاد کو گولی مار دی تھی۔ اور بھاگ کھڑا ہوا۔ میرے والدین نے فیصلہ کیا کہ وہ ہمارے گھر میں ٹھہر سکتا ہے اور یوں وہ ہمارے خاندان کا ہی ایک فرد بن گیا۔

میں احمد کو پسند کرتا تھا، کیونکہ میری ارگن سے وہ بہت ٹھیک نشانے لگاتا تھا۔ تاہم ایک واقعہ کی یاد ہمیشہ میرے ذہن میں تازہ رہتی ہے۔ احمد نے ایک فاختہ کو نشانہ بنایا، جو ہمارے پڑوسیوں کے باغ میں جاگری۔ جب احمد اسے اٹھانے گیا، تو مکان کا مالک باہر آگیا۔ اپنے باغ میں ایک جنگلی سے لڑکے کو دیکھ کر وہ چیخا اور اسے دفع ہو جانے کو کہا۔ اور اس دوران اُس نے اِس پر خوب لعنت ملامت بھی کی۔ کسی قبائلی پٹھان پر اگر لعنت ملامت کی جائے، تو یہ اسکی غیرت کا مسئلہ بن جاتا ہے۔ احمد باغ سے واپس آگیا اور کچھ دیر تک آزردہ رہا۔ پھر اس نے اپنا مُنہ بھینچا اور اُٹھ کھڑا ہُوا جیسے بالآخر اس نے کوئی فیصلہ کر لیا ہو۔

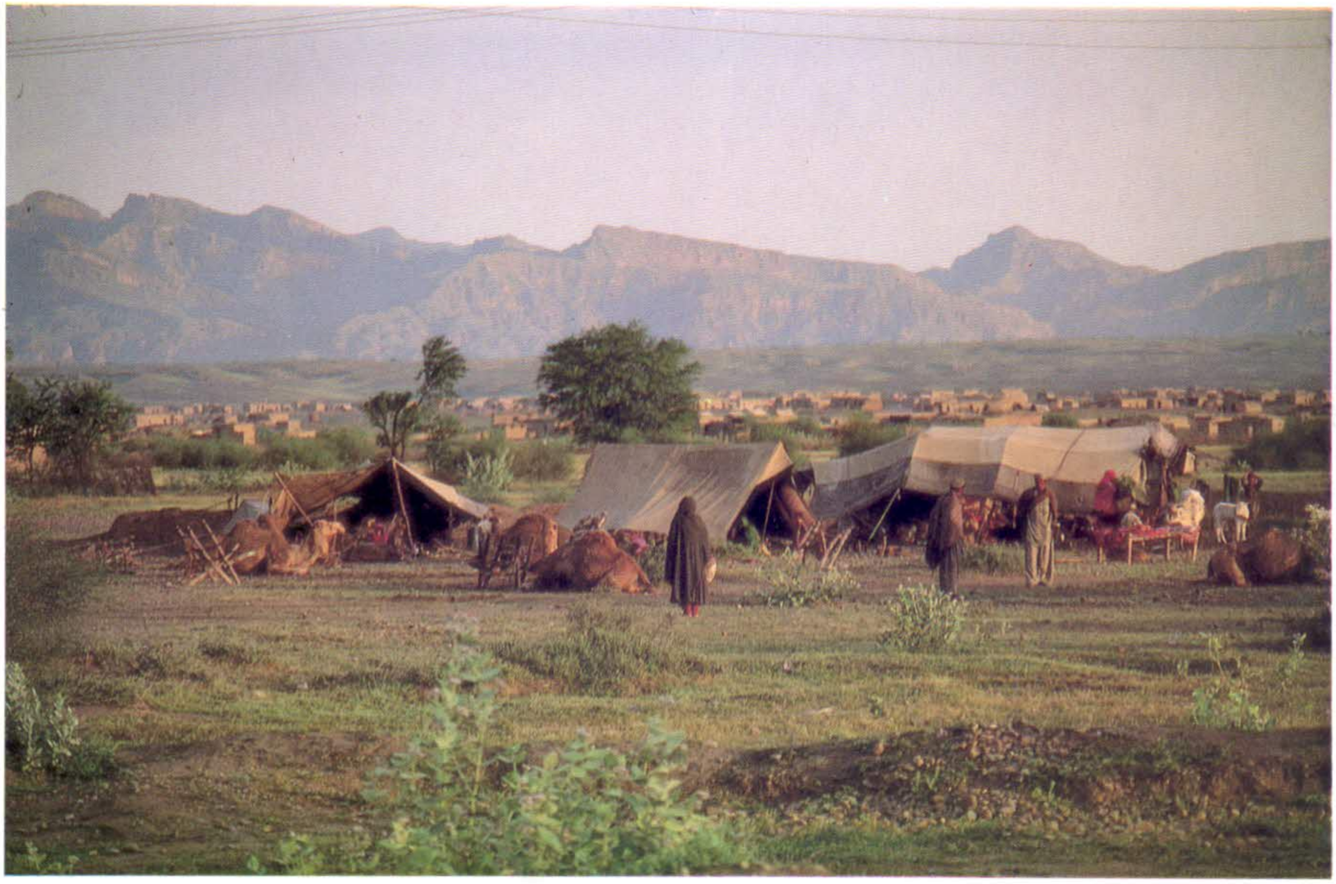
جب اس نے مجھ پر اپنا ارادہ ظاہر کیا، تو میرے جسم میں سنسنی سی طاری ہو گئی۔ اس نے اس شخص کو قتل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ مگر کیسے؟ میں نے پوچھا۔ اس نے بتایا کہ جب وہ شخص سویا ہُوا ہو گا تو وہ اُس گھر میں گھُس جائے گا اور اُسے چاقو مار دے گا۔ تمہیں کیسے پتہ چلے گا کہ وہ کہاں سو رہا ہے؟ اس ڈرامائی اور مہّماتی فیصلے، میں اپنے حواس پر قابو نہ رکھتے ہوئے میں نے پھر سوال کیا۔ اس نے بتایا کہ اس شام وہ جاسوسی کی غرض سے انکے گھر جائے گا۔

یہاں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ انتقام لیتے وقت ایک پٹھان کا دماغ کس طرح کام کرتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ اس نے اپنی عزّت کی حفاظت کرنا ہوتی ہے، بلکہ اپنے مارے جانے کی صورت میں اپنے خاندان کی خیروعافیت کے بارے میں بھی سوچنا ہوتا ہے۔ اس لئے قبائلی پٹھان شاذ ہی کوئی احمقانہ حملہ کرتا ہے۔

شدید خواہش کے باوجود احمد نے فوری طور پر اس شخص کو قتل کرنے کی کوشش نہیں کی، کیونکہ اس کا دماغ ایک اور سمت میں کام کر رہا تھا۔ اسکو شاید گمان تھا، کہ براہِ راست تصادم کی صورت میں، عمر میں بڑا اور شاید زیادہ طاقتور وہ شخص اسے زخمی کر دے، یا یہ ہو سکتا ہے کہ وہ شخص گھر کے اندر سے اپنی بندوق اٹھا لائے یا اپنے نوکروں کو بلا لے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

94



تاہم رات کے وقت، احمد اسے بے خبریت کے عالم میں دبوچ سکتا ہے، اور اس سے پہلے کہ کسی کو علم ہو کہ یہ واقعہ رُونما ہُوا ہے، وہ یہاں سے فرار ہو سکتا ہے۔

اس ساری بات سے مجھ میں اس قدر ہیجان پیدا ہُوا کہ مَیں یہ بات اپنی والدہ کو بتانے سے نہیں رُک سکا۔ انہوں نے فوری طور پر جذباتی دھمکیوں سے کام لے کر اس کے منصوبوں کو دبا دیا۔ انہوں نے کہا کہ اس صورت میں پولیس انہیں جیل میں ڈال دے گی۔ یہ ترکیب اگرچہ کارگر ثابت ہوئی۔ کیونکہ احمد کے لئے یہ بات سخت پریشانی کا باعث تھی کہ اس کی میزبان، اور ایسی ہستی جس کے لئے وہ احسانمندی کے جذبات رکھتا تھا، کو اس کے فعل کی وجہ سے تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑے۔ اسکے باوجود، احمد اس ہمسائے کے لئے اسی طرح معاندانہ جذبات رکھتا رہا۔ بالآخر میری والدہ نے جنہیں مسلسل یہ خدشہ رہتا تھا کہ احمد کسی بھی وقت کوئی احمقانہ حرکت کر سکتا ہے، اس آدمی کو اس بات پر قائل کر لیا کہ وہ احمد سے معافی مانگ لے۔

ایک سال بعد احمد واپس اپنے گھر چلا گیا اور ہم نے سوچا کہ اب دوبارہ ہماری اس سے ملاقات نہیں ہو گی۔ یہ بات صاف ظاہر تھی کہ اپنی خانہ بدوش فطرت کی وجہ سے وہ اس قدر بے چین تھا کہ ایک ہی جگہ پر قیام کرنا اس کے لئے ممکن نہیں تھا۔ پھر بھی، کوئی دو سال بعد ہمارے لئے بہت سے تحائف کے ساتھ لوٹ کر آیا۔ ان تحائف میں ایک پاوینده کا گدی کُتّا بھی تھا جو اس کے ہمیں دیئے گئے تحفوں میں بہترین تحفہ تھا۔ جس عم زاد کو اس نے گولی ماری تھی، وہ بچ گیا تھا، اور احمد کو معاف کر دیا گیا تھا، اور اسے واپس قبیلے میں قبول کر لیا گیا تھا۔

طلوع آفتاب کے وقت ایک پاوندہ خیمہ زنی

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



زرمیلان کا میدان

پٹھان نسل کی چار شاخیں ہیں اور پاوئندہ کا تعلق غلزئی شاخ سے ہے۔ پہلے بیان کئے گئے نیازیوں، لودھیوں، اور سُوریوں اور خلجیوں کے علاوہ ناصر، دوتانی اور سلیمان خیل کا شمار بھی پاوئندہ قبائل میں ہوتا ہے۔ پاوئندہ قبائل میں سب سے بڑے قبیلے، سلیمان خیل کا مرکزی علاقہ، زرمیلان کا میدان ہے، جسے دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ یہ ایک تاریخی مقام ہے۔ کیونکہ، اس بات کے علاوہ کہ پاوئندہ ہر سال یہاں سے نقل مکانی کرتے ہیں، بہت سے فاتحین اسی راستے سے گذرے درّہ گومل سے گذر کر ہندوستان کے میدانوں میں جانے سے پہلے وہ زرمیلان کے مقام پر پڑاؤ ڈالتے۔ بعد میں تشکیل پانے والے ملک افغانستان، کے بادشاہ محمود غزنوی، نے ایک ہزار سال قبل، اپنی فوج کے ساتھ اسی وسیع میدان میں پڑاؤ ڈالا تھا۔

زرمیلان میں کوئی ایسی عجیب بات ہے جو اسے بہت خوبصورت

زرمیلان کا میدان۔ "زرمیلان" کا مطلب ہوتا ہے "ایک ہزار میل" اس وسیع و عریض اور خوبصورت جنگل کے لئے ایک موزوں نام۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

بناتی ہے۔ میلوں تک پھیلے ہوئے اسکے ہموار میدان' جن کے ارد گرد بلند و بالا پہاڑ ہیں۔ کبھی کبھار پاویندوں کی خیمہ زنی کے علاوہ' اس جگہ کو کبھی استعمال نہیں کیا جاتا۔ تاہم پاکستانی حکومت اس علاقے کو ترقی دینے کی کوشش کر رہی ہے تاکہ یہ علاقہ سارے وزیرستان کو اناج مہیّا کرنے کا ذریعہ بن سکے۔ ٹیوب ویل لگائے جا رہے ہیں۔ پھل دار درختوں کو بویا جا رہا ہے اور کچھ علاقے کو زیرِ کاشت لایا جا چکا ہے۔



مُفلسی اور تمکنت

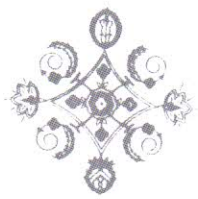
خانہ بدوش قبائل کے لئے زندگی انتہائی کٹھن ہے۔ میں ایک پاویندہ سے ملا جو اپنے خاندان کے ہمراہ ڈیرہ اسماعیل خان سے واپس زرمیلان جا رہا تھا۔ دو دنوں سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ ایسے دکھائی دیتا تھا کہ اس کی بیوی نے بھی اس لئے کچھ نہیں کھایا تاکہ انکے بچے کچھ کھا سکیں۔ جب مَیں نے اُس سے پُوچھا کہ وہ کہیں آباد ہونا پسند کرے گا تو اس نے جواب دیا کہ وہ کوئی ایسی چھوٹی سی جگہ جہاں وہ اپنا گھر تعمیر کر سکے اور اپنے جانوروں کو خوراک مہیّا کر سکے' حاصل کرنے کے لئے کچھ بھی دینے کو تیار ہے۔ پھر مَیں نے اُس سے پوچھا کہ' وہ آباد علاقہ جات میں کوئی ملازمت کیوں نہیں قبول کر لیتا۔ اس نے جواب دیا کہ وہ کسی اور کے گھر یا کوارٹروں میں کبھی نہیں رہے گا' اور اپنی اور اپنے خاندان کے نان نفقے کے لئے کسی کا دست نگر نہیں بن سکتا۔ اس سے بہتر ہے کہ وہ مرجائے۔

قوموں کی تقدیر وہ مردِ درویش
جس نے نہ ڈھونڈی سلطان کی درگاہ

یہ بات اچنبھے کا باعث نہیں ہے کہ ہر پٹھان سب سے زیادہ جو دُعا مانگتا ہے وہ یہ ہے کہ' یا خدا' مجھے کسی کا محتاج نہ بنانا'۔ اپنی آزادی اور عزّتِ نفس برقرار رکھنے کے لئے' پاویندے مشکل ترین زندگی گذارتے ہیں۔ انکے پاس کبھی اتنی رقم نہیں ہوتی کہ وہ کوئی زمین کا ٹکڑا خرید کر اس پر اپنا گھر تعمیر کر سکیں۔ اس لئے وہ ہر وقت سفر میں رہتے ہیں جہاں کہیں بھی وہ تجارت کر سکیں یا جہاں اپنے مویشیوں کے لئے انہیں چراگاہیں دستیاب ہو سکیں۔ اس کے باوجود انہوں نے اپنی غیرت اور اپنی عزّتِ نفس کو نہیں کھویا۔ اور میرے لئے یہ انکی عظیم ترین خُوبی ہے۔

محرم خودی سے جس دم ہُوا فقر
تُو بھی شہنشاہ مَیں بھی شہنشاہ

صدیوں سے' اپنی گزر اوقات کے لئے' پاویندے پورے شمالی ہندوستان میں سفر کرتے رہے ہیں۔ صرف وہ لوگ' جن کا قسمت نے ساتھ دیا' کہیں آباد ہونے کے قابل ہو سکے۔ اسی وجہ سے یہ سارے پٹھان قبائل میں سب سے زیادہ مُہم جُو لوگ واقع ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے اپنی بادشاہتیں تک قائم کر ڈالیں۔ انگریز اس خُوبی کو تسلیم کرتے تھے۔ اسی لئے وہ پاویندہ اور ان کے اونٹوں کو انیسویں صدی میں مغربی آسٹریلیا کے صحرا کو کھوجنے کے لیے لے گئے۔ مغربی آسٹریلیا میں پرتھ کے مقام پر' مَیں پاویندہ خاندانوں کی اولاد سے مل چُکا ہوں۔



www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

Join our Facebook Group
PTI Karak [OFFICIAL]

داستانوی شجاعت

جب ۱۹۶۱ء میں پاویندوں کے افغانستان سے پاکستان میں داخل ہونے پر پابندی عائد کر دی گئی' تو بیشتر پاویندوں نے سرکاری رکاوٹوں کو توڑنے کی کوشش کی۔ وانا کے سکاؤٹس میس میں مجھے سلیمان خیل قبائلیوں کی شجاعت کی حیرت انگیز کہانیاں سننے کو ملیں' سلیمان خیل بندوق برداروں اور سکاؤٹس کی ایک پلاٹون کے درمیان فائرنگ کے تبادلے میں سلیمان خیل کی بندوقوں کو بہت طویل لڑائی کے بعد خاموش کیا جا سکا' سکاؤٹس نے بعد میں دیکھا کہ دو قبائلی زخمی ہوئے ہیں جبکہ باقی مارے جا چکے ہیں۔ انہیں اس بات پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ صرف بارہ آدمیوں نے اس قدر مشکلات کے باوجود ایسی زبردست جنگ لڑی۔ زخمیوں نے صرف اس وجہ سے فائر بندی کی کہ ان کے پاس اسلحہ ختم ہو چکا تھا' ان دو آدمیوں کو ہسپتال لے جایا گیا' جہاں انہوں نے آپریشن سے قبل' بے ہوش ہونے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے بس اتنا کیا کہ' جس دوران اُن کے جسم سے گولیاں نکال کر ٹانکے لگائے جا رہے تھے' انہوں نے اپنی پگڑیوں کو دانتوں میں دبا لیا۔ جب آپریشن ختم ہو گیا' تو فوری طور پر اُٹھ کر وہاں سے جانا چاہ رہے تھے۔ حالانکہ اس طرح کے زخموں کے بعد' اکثر لوگ مہینوں ہسپتال میں رہنا چاہتے ہیں۔

وانا سکاؤٹس کے کمانڈر' کرنل رحم زاد خان نے مجھے ایک واقعہ سنایا جس میں وہ ایک سلیمان خیل مَلِک کے پاس' اس کے بیٹے کی تعزیت کے لئے گیا جو روسیوں کے ساتھ لڑتا ہُوا مارا گیا تھا۔ مَلِک بہت دُکھی تھا کہ اس کے وجیہہ بیٹے کو عین عالمِ شباب میں مار دیا گیا ہے لیکن جب کرنل نے اس کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرنا چاہا' تو مَلِک نے فخر سے اس کو جواب دیا کہ اس میں افسوس کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ اُسکا بیٹا ایک مرد کی طرح لڑتے ہوئے مرا ہے۔ کسی بزدل کی طرح نہیں۔

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہے بے داغ' ضرب ہے کاری
(اقبال)

ایک اور موقع پر' جبکہ ہم زرمیلان میدان کی بیابانی میں گاڑی پر پھر رہے تھے' ہم نے درمیانی عمر کی ایک عورت کو دیکھا' جو سر پر ایک بھاری بھرکم وزن اٹھائے جا رہی تھی۔ جب ہم نے رک کر اس سے پوچھا کہ آیا ہم اس کی کوئی مدد کر سکتے ہیں' تو پہلے اس نے آ کر ہم سے ہاتھ ملائے' اور پھر نہایت شائستگی سے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ اس نے جس جگہ جانا ہے وہاں پر ہماری جیپ نہیں جا سکتی۔ کرنل نے اس سے پوچھا کہ وہ کہیں اس بیابان جگہ پر ہونے سے خوفزدہ تو نہیں۔ اسکے جواب میں اس نے ایک بڑا سا وزیری خنجر نکالا اور کہا۔ کہ اگر کوئی بھی اس کے قریب آیا تو اسے اس کی کاٹ کا سامنا کرنا پڑے گا۔

ہے کس کی یہ جرأت کہ مسلمان کو ٹوکے
حرّیتِ افکار کی نعمت ہے خداداد

○

پاویندہ عورتیں

پٹھان قبائل میں سے پاویندہ وہ واحد لوگ ہیں جن کی عورتیں پردے کے بغیر باہر نکلتی ہیں' اس وقت بھی جب وہ آباد علاقہ جات میں جاتی ہیں یا اپنے قصبوں سے باہر نکلتی ہیں وہ خوبصورت لمبے اور انتہائی رنگ دار لباس پہنتی ہیں۔ جب کبھی بھی وہ کسی اجنبی شخص کو دیکھتی ہیں۔ وہ بس اپنا چہرہ دوسری جانب کر لیتی ہیں۔ تمام پٹھان عورتوں کی طرح' وہ اپنی تصویر کھنچوانے سے انکار کر دیتی ہیں۔

میرے بزرگوں میں سے ایک چچا نے ایک پاویندہ لڑکی سے شادی کی تھی۔ میانوالی میں' انکے اور میرے والد کے گاؤں میں' ۱۹۶۰ تک پاویندے اپنی عورتوں کو مختلف خاندانوں کے پاس چھوڑ جاتے۔ اس دوران مرد شہروں میں جا کر تجارت کر کے پیسہ کماتے۔ پاویندہ عورتیں گھروں میں کام کرتیں اور انکے ساتھ خاندان کے افراد کی طرح برتاؤ کیا جاتا۔ انکے بے پناہ خوبصورت ہونے کے باوجود' انہیں جنسی طور پر

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



پریشان کرنے کا کبھی کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بہار کے موسم میں مرد واپس آ جاتے اور اپنی عورتوں کو اپنے ہمراہ لے جاتے۔

یہ بہت دلچسپ امر ہے کہ جب وہ سفر میں ہوتے ہیں، تو کس طرح مختلف فرائض کی ذمہ داری، مردوں، عورتوں اور بچوں میں تقسیم کر دی جاتی ہے۔ مرد اونٹوں کو تیار کرتے ہیں، جبکہ عورتیں خیموں کی دیکھ بھال کرتی ہیں۔ کھانا پکاتی ہیں، صفائی کرتی ہیں اور ایندھن اکٹھا کرتی ہیں۔ بچے جلانے کی لکڑی لے کر آتے ہیں، اور بچھڑوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔ اور پورا خاندان دوسرے جانوروں کی نگہداشت کرتا ہے۔

میرے نزدیک پاویندوں کا مشاہدہ کرنے کا بہترین وقت غروبِ آفتاب سے ذرا پہلے کا ہے۔ جب وہ اپنے خیمے لگا چکے ہوتے ہیں۔ اور شب بسری کی تیاری کر رہے ہوتے ہیں۔ مردوں، عورتوں، بچوں، کُتّوں، بکریوں، اونٹوں اور کبھی کبھار موجود گائے، بھینسوں میں ایک تحیر انگیز ہم آہنگی دکھائی دے رہی ہوتی ہے۔ غروبِ آفتاب کے وقت، انسانوں اور جانوروں میں ہم آہنگی کے یہ مناظر میں قراقرم کے پہاڑوں کے قصبات میں بھی دیکھ چکا ہوں۔ مگر پاویندوں کا یہ منظر بہرطور پر مجھے زیادہ گہرے انداز میں متاثر کرتا تھا۔ یہ ایک بے مثال منظر ہے۔ انکے بدن چُور چُور ہوتے ہیں، خاص طور پر جب وہ سفر میں ہوتے ہیں اور خاندان کے ہر فرد کو کام کرنا پڑتا ہے۔ غروبِ آفتاب وہ وقت ہے جب سارا کام ختم ہو چُکا ہوتا ہے اور پورا خاندان، جانوروں سمیت، ستا رہا ہوتا ہے۔ میرے لئے یہ دیکھنا ہمیشہ متاثر کُن رہا ہے کہ کس طرح اس قدر کٹھن زندگی گذارنے کے بعد یہ لوگ ہر روز اس قدر وقت نکال لیتے ہیں کہ وہ اکٹھے ہو کر مسرّت کے لمحوں سے لطف اندوز ہو سکیں۔

****

اوپر۔ اپنے خیمہ کے سامنے بیٹھی ہوئی ایک بزرگ پاوندہ خاتون اپنے بچے اور پوتے پوتیوں کو دیکھ رہی ہے۔ پاوندوں کا خاندانی نظام حیرت انگیز طور پر بہت زیادہ مربوط ہے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com





www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

100

بابِ پنجم

پٹھان خواتین



قبائلی علاقہ جات میں رہنے والی عورتیں' خوبصورت اور جسمانی طور پر مضبوط ہوتی ہیں۔ افسوس' کہ انتہائی کٹھن زندگی گزارنے کی وجہ سے ان کا حُسن زیادہ دیر تک باقی نہیں رہتا۔ مثلاً یہ کہ پاوینده عورتیں نہ صرف کھانا پکاتی ہیں' صفائی کرتی ہیں اور لکڑی اور پانی لیکر آتی ہیں' بلکہ اگر ضرورت ہو تو وہ اونٹوں کی نگہداشت کا فریضہ بھی سر انجام دیتی ہیں۔ پاوینده عورتوں کے بچے سفر کے دوران پیدا ہوتے ہیں' اور اکثر قافلے کے پاس اتنا وقت بھی نہیں ہوتا کہ وہ ان کے سنبھلنے کا انتظار کرنے کے لئے زیادہ دیر تک رک سکیں۔ تمام قبائلی علاقہ جات میں عورت کو خاندان کی عزّت سمجھا جاتا ہے۔ کوئی شخص کبھی بھی' اپنی والدہ' بیوی بہن یا بیٹی کی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔ کسی خاندان کی عزّت کا انحصار ان کی عورتوں کے محفوظ ہونے پر ہوتا ہے' اور کوئی بھی شخص ان کی حفاظت کے لئے کسی بھی حد تک جا سکتا ہے۔ قبائلی

****

شمالی قبائلی پٹی کے کھیتوں میں کام کرنے والی عورتیں اگرچہ وہ عوامی مقامات مثلاً بازاروں وغیرہ میں نہیں جاتیں تاہم انہیں گھر سے باہر قبائلی علاقے کے زیادہ تر علاقوں میں جانے کی آزادی ہے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

پٹھانوں کے مطابق خدا نے عورتوں کو جسمانی لحاظ سے کمزور بنایا ہے اور وہ بہت زیادہ غیر محفوظ ہوتی ہیں' اور ظاہر ہے' اس وجہ سے انہیں مَردوں کی حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے۔

قبائلی علاقہ جات کے بیشتر حصوں میں' عورتیں اپنے قصبوں میں گھومنے پھرنے میں آزاد ہیں۔ تاہم وہ تجارت نہیں کر سکتیں اور نہ ہی بازار جا سکتی ہیں۔ کبھی کبھار ان موقعوں پر جب کسی قبائلی عورت سے ملاقات ہو تو وہ ہاتھ ملاتی ہے تاہم قصبوں سے باہر قبائلی عورتوں پر خاصی پابندیاں عائد ہوتی ہیں' کوئی عورت کسی بھی ایسی جگہ اپنے شوہر' بھائی یا باپ کے بغیر نہیں جاتی جہاں اجنبی لوگوں سے اس کا سابقہ پڑتا ہو' کیونکہ خاندان والے جانتے ہیں' اگر کسی بھی طرح انہیں تنگ کیا گیا یا ہراساں کیا گیا تو مردوں کے پاس اس کے سوا کوئی راہ نہیں ہو گی کہ وہ اپنی زندگیوں کو داؤ پر لگا کر اس توہین کا بدلہ لیں۔ اگر کسی وجہ سے انہیں اس عمل سے پیچھے ہٹنا پڑے' مثلاً کسی ایسی صورتحال میں جس میں انہیں خطرات کا سامنا ہو تو نہ صرف یہ کہ وہ اپنے ساتھی قبائلیوں کی نظر میں گر جائیں گے بلکہ اس عورت کے دل میں بھی ان کا کوئی احترام باقی نہیں رہے گا۔ درحقیقت یہ عورتیں ہی ہوتی ہیں' جو آئینِ پختون ولی اور اسلامی اقدار سے شدید وابستگی پر اصرار کرتی ہیں۔

جب کسی قبائلی پٹھان نے شہر جانا ہوتا ہے' تو انکی عورتیں انکے ساتھ جانے سے احتراز کرتی ہیں۔ وہ یہ جانتے ہوئے اپنے خاندانوں کے ساتھ رہنے کو ترجیح دیتی ہیں کہ وہاں انہیں مکمل تحفّظ اور اَمن حاصل ہوتا ہے۔ پٹھانوں کے نزدیک شہر ایک اجنبی جگہ ہوتی ہے' جہاں ایسے کوئی قبائلی قوانین یا قبائلی اقدار نہیں ہوتیں جو عورتوں کو تحفّظ فراہم کر سکیں۔

جب پٹھان آباد علاقہ جات' خاص طور پر پشاور' ٹونک یا ڈیرہ اسماعیل خان جیسے شہروں میں رہنے کے لئے جاتے ہیں' تو عورتوں کو گھروں کی چار دیواری میں تقریباً قید ہی کر دیا جاتا ہے۔ بالواسطہ طور پر میری جانب سے پوچھے گئے سوالات کے جواب میں کچھ قبائلی عورتوں نے بتایا کہ اسی وجہ سے وہ پشاور کی بجائے تراہ پہاڑوں میں رہنے کو ترجیح دیتی ہیں۔

ایک موقع پر میں ایک سلیمان خیل قبائلی سے ملا جو ایک تاجر کی حیثیت سے لاہور میں رہائش پذیر ہو چکا تھا۔ اپنا کاروبار مستحکم کرنے کے بعد' اس نے اور اس کے بھائی نے اپنے بیوی بچوں کو اپنے پاس بلانے کا انتظام کیا۔ جب مرد کام پر جاتے' وہ اپنے بیوی اور بچوں کو گھر میں بند کر کے دروازے پر قفل لگا دیتے۔ ایک دوسرے آدمی کو یہ ایسا لگے گا جیسے اس طرح ان عورتوں کو غلام بنا دیا گیا ہے' مگر حقیقت میں وہ سب یہ سمجھتے ہیں کہ ایک اجنبی ماحول اور اجنبی ثقافت میں' عورتوں کے تحفّظ کا یہی ایک راستہ ہے۔

پردہ

اگر کسی عورت کو اپنے مردوں کے ساتھ شہر جانا پڑ ہی جائے تو وہ مکمل طور پر پردہ (سر سے پاؤں تک جسم کو ڈھانپنا) کرتی ہیں۔ درحقیقت جس لمحے عورتیں اپنے قصبات سے باہر نکلتی ہیں' پردے پر بڑی سختی سے عمل کیا جاتا ہے۔ اس دستور سے' ایک خاندان اس بات کا اظہار کرتا ہے کہ یہ عورتیں قابلِ احترام ہیں' اور ان سے اسی لحاظ سے برتاؤ کیا جانا چاہئے۔

****

سامنے۔ وزیرستان میں ایک بوڑھی عورت جو اپنی کٹھن زندگی کی بدولت اپنی عمر سے زائد لگتی ہے۔ لیکن عمر کو حکمت سے منسوب کیا جاتا ہے اور یوں بوڑھی عورتوں سے عزت و احترام سے پیش آیا جاتا ہے۔ گھر ان کی ریاست ہوتی ہے۔

www.facebook.com/PK322

www.freepdfpost.blogspot.com

102

پردے کا مطلب یہ ہے کہ ایک عورت کو اس طرح کا لباس پہننا چاہئے اور ایسا برتاؤ کرنا چاہئے جس سے مخالف جنس کے جذبات مشتعل نہ ہوں---- دوسرے لفظوں میں' اسکا لباس اور برتاؤ باحیا ہونا چاہئے- پردہ کے نظام کی اساس اس عقیدے پر ہے کہ کسی عورت کا پہنا ہوا لباس اس بات کو طے کرتا ہے کہ اس کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کریں- اگر وہ عزّت چاہتی ہے' تو اس طرح کا لباس پہننا چاہئے جو اس کے معاشرے کے نزدیک واجبِ احترام ہے-

مختلف علاقوں میں پردے کی مختلف صورتیں مروّج ہیں- وزیرستان میں عورتیں محض ایک چادر سے اپنا سر ڈھانپ لیتی ہیں' جب کبھی بھی وہ کسی مرد کے قریب سے گذرتی ہیں' وہ دوسری طرف دیکھنا شروع کر دیتی ہیں- اس کے برعکس' کچھ مقامات' مثلاً کُرّم وادی کے کنارے واقع تھل میں' عورت ایک برقع پہنتی ہے جس میں وہ سر سے پاؤں تک مکمل طور پر ڈھکی ہوتی ہے- تاہم قبائلی علاقہ جات کے بیشتر علاقوں میں بُرقع بہت کم مروّج ہے- شمال مغربی سرحدی صوبے کے آباد علاقہ جات میں رہنے والی عورتوں میں یہ بُرقع بہت عام ہے- یہاں انہیں بہت کم آزادی میّسر ہوتی ہے-

کافی گورام میں' برکی عورتیں' ارد گرد کے علاقوں کی محسود عورتوں کی نسبت زیادہ قدامت پسند واقع ہوئی ہیں- شاید یہ اس وجہ سے ہے کہ کافی گورام اس علاقے کا واحد قصبہ ہے- یا شاید اسلئے کہ برکی اساسی طور پر بنیاد پرست واقع ہوئے ہیں-





علیحدگی اور تحفّظ

شہروں کی طرف جاتے ہوئے' پٹھان عورتیں ہمیشہ سے پردے پر عمل کرتی آئی ہیں' مگر گذشتہ تقریباً پندرہ برس سے' دنیا بھر میں اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی وجہ سے' قبائلی علاقہ جات میں عورتوں اور مردوں کے میل ملاپ میں کمی واقع ہوئی ہے- مثلاً وزیرستان میں' محسودوں نے مجھے بتایا کہ پہلے ان کے درمیان علیحدگی بہت کم ہوتی تھی- ایک وقت ایسا تھا' جب وزیرستان میں محسودوں اور دوسرے قبائل میں' عورتیں جن مردوں کو جانتی تھیں' ان سے علیک سلیک کرتے ہوئے انہیں گلے بھی لگا لیتی تھیں- اس کے علاوہ محسود رقص بھی' جسے اب صرف محسود مرد کرتے ہیں' اس سے پہلے محسود عورتیں اور مرد مل کر کرتے تھے- تاہم ۱۹۷۰ کی دہائی سے عورتوں اور مردوں کے مل کر رقص کرنے کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے- اور اب پورے قبائلی علاقہ جات کے کچھ قصبات میں ہی' شادی بیاہ کی تقریبات میں' عم زاد مل کر رقص کرتے ہیں-

قبائلی علاقہ جات کے پٹھانوں کا خیال ہے کہ مردوں اور عورتوں کی علیحدگی محض اس بنا پر ضروری نہیں ہے- کہ اس سے کسی ممکنہ ترغیب سے احتراز کیا جا سکتا ہے' بلکہ اس لئے بھی کہ اس کُرّہ ارض پر مردوں اور عورتوں کے ذمے مختلف قسم کے کام لگائے گئے ہیں- وہ اسے ان دونوں کے درمیان کوئی تضاد نہیں سمجھتے' بلکہ یہ کہ اس طرح دونوں مل کر ایک دوسرے کو مکمل کرتے ہیں-

بہت حد تک طے شدہ اس دستور کی بنا پر عورتوں کو بے پناہ تحفّظ

سامنے- منڈی کا ایک روایتی منظر جس میں عورتیں سرے سے غائب ہیں- عورتیں ایسے عوامی مقامات سے گریز کرتی ہیں جہاں پر ان کا مردوں سے رابطہ ممکنہ ہوتا ہے-

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



حاصل ہے۔ وہ جانتی ہیں کہ اگر وہ پردہ پر عمل کریں گی، تو کوئی شخص بھی ان کو ہراساں کرنے کی جرأت نہیں کرے گا۔ قبائلی جنگوں اور خونی تنازعوں میں عورتوں کو کچھ نہیں کہا جاتا۔ کسی فاتح کے لئے یہ انتہائی بزدلی کی بات سمجھی جاتی ہے کہ وہ مفتوحین کی عورتوں کی بے حرمتی کرے۔ اور ایسی مثالیں بھی ہیں جس میں غالب آ جانے والوں نے مقتول کی بیوی اور بچوں کے نان و نفقہ کا ذمہ اٹھایا ہے۔

پورے قبائلی علاقہ جات کی تاریخ میں زنابالجبر کا کوئی واقعہ نہیں ملتا۔ (اس بات کی دوسری وجہ کہ یہاں زنابالجبر کے واقعات نہیں ملتے اور عورتوں کو اپنے گاؤں میں نسبتاً آزادی حاصل ہے، یہ ہے کہ قبائلی علاقہ جات میں اپنے خاص علاقے میں، ہر کوئی ہر کسی کو جانتا ہے، اور مجرم کی نشاندہی کرنا انتہائی آسان ہوتا ہے۔ پھر بھی پاکستان کے دوسرے دیہاتی علاقوں میں، مثلاً پنجاب اور سندھ میں جہاں ہر کوئی ہر کسی کو جانتا ہے۔ زنابالجبر کے واقعات رُونما ہوتے ہیں------ عام طور پر ایسے واقعات کا ارتکاب کمزوروں کے خلاف سماجی طور پر طاقتور لوگوں کی طرف سے کیا جاتا ہے)۔

درحقیقت پٹھانوں نے اسلام کو انتہائی طور پر اپنایا ہوا ہے۔ اسلام میں بذاتِ خود، عورتوں کو بہت حد تک آزادی دی گئی ہے۔ ایک عورت کو لازماً ایسا لباس پہننا چاہئے جس سے وہ مردوں کے جذبات میں ہیجان پیدا نہ کرے، مگر اس کی وجہ سے اس کے کاموں میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ پیغمبر اسلام نے عورتوں کو مسجد میں نماز ادا کرنے کی اجازت دی تھی۔ ان کی پہلی شریکِ حیات ایک تاجر عورت تھیں، اور بہت سے لوگ ان کی ایک اور زوجہ کو اسلامی روایات پر ایک سند سمجھتے تھے۔

اوپر۔ نوجوان لڑکیوں کو چادریں پہننے کی تربیت کی جاتی ہے لیکن اجنبی مردوں سے ملنے سے پھر بھی نا آشنا رہتی ہیں۔
سامنے۔ لڑکیوں کو معقول انداز سے ملبوس ہونے کی تربیت دی جاتی ہے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد ہونے والی خانہ جنگی میں انہوں نے ایک گروہ کی قیادت بھی کی تھی۔ اسلام عورتوں کو مَردوں کے مساوی عزّت کا درجہ دیتا ہے۔ مثلاً شادی بیاہ کے سلسلے میں ایک عورت کی رضامندی حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے' اور اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی رشتے کو مسترد کر دے۔ افسوس' قبائلی علاقہ جات میں' بعض اوقات عورت کو انتخاب کرنے کا یہ حق نہیں دیا جاتا۔ پھر بھی' قبائلی علاقہ جات میں' خاندان میں ماں کو باپ کی نسبت بلند تر درجہ دینے کے سلسلے میں اسلام کی پیروی ضرور کی جاتی ہے۔



طاقت کے ستون

پٹھان گھرانوں میں عورت مکمل طور پر سب اختیارات رکھتی ہے۔ گھر کے اہم فیصلے وہی کرتی ہے' اور وہ بچوں کو سکھاتی ہے کہ وہ اپنے والد کا احترام کریں۔ خاص طور پر اس بات کو یقینی بناتی ہے کہ اسکا خاندان پٹھان آئینِ عزّت کی مکمل طور پر پاسداری کرے۔ کیونکہ یہی وہ معیار ہے جس کی بنا پر اسکے بچوں کو معاشرے میں جانچا جائے گا۔

عجب خان کے ایلس کو اغوا کرنے کے واقعہ میں" عجب کی بیوی نے یہ اصرار کیا تھا کہ وہ انگریزوں سے اُسکے گھرانے کی کی جانے والی بے عزّتی کا انتقام لے۔

پٹھان عورت اپنے بچوں کو مسلسل جرأت اور بہادری کی داستانیں سناتی رہتی ہے۔ جیسا کہ پٹھان شاعر غنی خان کہتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو یہ بتاتی ہیں کہ ایک بُزدل مَرتو جاتا ہے مگر اس کی چیخیں ہمیشہ باقی رہتی ہیں۔ ایک پشتو گیت میں' ایک ماں جنگ پر جانے والے اپنے بیٹے کو کہتی ہے کہ' اسے یہ اچھا لگے گا کہ وہ ایک بزدل کی طرح زندہ رہنے کی بجائے بہادروں کی طرح مرجانے کو ترجیح دے۔ اس سے مجھے سپین کے آخری عرب بادشاہ' ابوعبداللہ کی یاد آئی' جسے جب کیتھولک عیسائیوں نے نکال باہر کیا' تو غرناطہ سے رُخصت ہوتے وقت" اسنے پیچھے مڑ کر اس علاقے کو دیکھا جو کبھی اس کی راجدھانی ہوتا تھا' تو وہ رونے لگا۔ یہ دیکھ کر' اس کی ماں نے اُسے سرزنش کرتے ہوئے کہا' "اس (علاقے) پر عورتوں کی طرح آنسو مت بہاؤ جسکی تم مَردوں کی طرح حفاظت نہ کر سکے۔"

اگر کسی عورت کا شوہر مارا جائے' تو وہ اس بات کو یقینی بنائے گی کہ اسکے بیٹے موت کا انتقام لیں۔ اگر اسکا بیٹا بہت کم سِن ہو' تو وہ اس کو اس وقت کے لئے تیار کرے گی جب وہ اس مقصد کے لئے کافی بڑا ہو جائے۔ ایسا ہی ایک المیہ واقعہ یُوں ہُوا ہے کہ' ایک محسود عورت' جسکا شوہر' ۱۹۲۹ کی دہائی کے اواخر میں انگریزوں سے لڑتا ہوا مارا گیا تھا' اس نے قسم کھائی کے وہ اس کی موت کا انتقام لے گی۔ دوبارہ شادی کرنے سے انکار کرتے ہوئے' اس نے بچپن ہی سے اپنے بیٹے کو اپنے باپ کی موت کا انتقام لینے کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا۔ ۱۹۴۷ میں' ایک روز اچانک اُس نے سُنا کہ انگریز یہاں سے جا رہے ہیں۔ اس نے اپنے بیٹے کو کہا کہ اسے فوری طور پر عمل کرنا چاہئے' ورنہ اسے انتقام لینے کے لئے انگلینڈ جانا پڑے گا۔ بیٹا ٹونک گیا اور اس نے وہاں کے انگریز پولٹیکل ایجنٹ کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ الم ناک اور تلخ حقیقت یہ تھی کہ' ڈنکن نامی پولٹیکل ایجنٹ ایک ایسا انگریز تھا' جو پٹھانوں کا بہت زیادہ

www.facebook.com/PK322

www.freepdfpost.blogspot.com



خاموش رہے تاکہ کسی کو بھی اس بات کا پتہ نہ چلے۔ اسکا خیال تھا کہ اگر کسی کو یہ پتہ چل جائے کہ ہمارے ساتھ ایک ایسا آدمی بھی سفر کر رہا ہے جس کا جسم اس قدر کمزور ہے' تو یہ ہم سب کے لئے شرمندگی کا باعث ہو گا۔ (ایک پٹھان کے نزدیک چاہے وہ مرد ہو یا عورت' ایک بیمار معدہ بھی کمزوری کی علامت ہے۔)

پانی اور ایندھن کے لئے لکڑیاں لانے سمیت گھر کا سارا کام عورتیں کرتی ہیں۔ قبائلی علاقہ جات کے پہاڑی علاقوں میں یہ کام بہت کٹھن ہوتا ہے' اور عورتوں کو اس کی بھاری قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ وہ جلد ہی اپنی عمر سے زیادہ معمّر دکھائی دینے لگ جاتی ہیں۔ جس دوران عورتیں کام کر رہی ہوتی ہیں' مرد بچوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں' تجارت اور خریداری کرتے ہیں اور خود کو لڑنے کے لئے مستعد رکھنے میں مشغول ہوتے ہیں۔

ذہنی اور جسمانی' دونوں اعتبار سے' یہاں کی عورتیں مضبوط ہوتی ہیں۔ جس دوران ہم زرمیلان کے میدان میں گاڑی پر جا رہے تھے' میں نے ایک ایسا واقعہ دیکھا جو ابھی تک میرے ذہن پر نقش ہے۔ اپنی بیوی' بچے اور ایک تقریباً چار سالہ بچے کے ہمراہ ایک قبائلی نے ہمارے سامنے والے حفاظتی دستے کو روکا یہ ایک نامعلوم جگہ تھی۔ اور بظاہر کسی ایک بچے کے ساتھ کوئی مسئلہ درپیش تھا جس نے اس آدمی کو لفٹ مانگنے پر مجبور کیا۔ ڈرائیور نے لازماً اس کو وین کے عقبی حصے پر چھلانگ لگا کر بیٹھنے کے لئے کہا ہو گا' جہاں چار سپاہی بیٹھے تھے۔

وہ آدمی ہائی ٹویوٹا وین پر پہلے سوار ہو گیا۔ اور ڈرائیور نے یہ سوچتے ہوئے کہ وہ سب سوار ہو گئے ہوں گے' گاڑی چلا دی۔ اس دوران' ایک بچہ اٹھائے ہوئے عورت وین میں سوار ہونیکی کوشش کر رہی تھی۔ ہمیں خدشہ ہوا کہ کہیں وہ گر نہ جائے۔ اور یُوں وہ اور اس کا بچہ کہیں زخمی نہ ہو جائیں۔ مگر ہمیں فکر کرنیکی ضرورت نہیں تھی۔ کسی اولمپک پول والٹر کی طرح' اس نے نہایت تمکنّت سے عقبی سرے

وزیرستان میں پانی لاتے ہوئے۔ بعض اوقات اس کام کے لئے کافی فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے۔ اس لئے عورتوں کو جسمانی طور پر خاصا مضبوط ہونا پڑتا ہے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

کو اپنے خالی ہاتھ کی مدد سے پکڑ لیا۔ تاہم' اسکا بیٹا' ابھی وین کے اندر نہیں تھا جب کہ وین نے چلنا شروع کر دیا تھا۔ ہمارے درمیان ابھی گھبراہٹ پھیلنے ہی لگی تھی کہ وہ کسی کھلاڑی کی طرح نیچے کو لپکی اور اپنے ایک بازو سے بچے کو یُوں اٹھا لیا جیسے وہ پلاسٹک کا کوئی گُڈّا ہو۔ حیرانی سے ہم' اس لچک' قوت اور جسمانی چا بکدستی کے مظاہرے کو دیکھتے رہے۔ اس عمل کے دَوران اس کی چادر سرک گئی تھی اور ہم نے دیکھا کہ وہ ایک خیرہ کُن حُسن کی مالک تھی۔ اس کی عمر بمشکل بیس برس ہو گی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کے سامنے بیٹھے ہوئے سپاہیوں نے ایک بار بھی اس کی طرف نہیں دیکھا۔ یہ اس عورت اور اس کے شوہر' دونوں کے لئے احترام کی علامت تھی۔

جنگوں کے دوران' عورتیں اپنے مَردوں کے لئے اسلحہ اور خوراک کی ترسیل کا کام کرتی ہیں۔ ان میں سے اکثر کو بندوق استعمال کرنا آتا ہے اور ضرورت کے وقت یہ اپنے مَردوں کے شانہ بشانہ لڑنے کے لئے مشہور ہیں۔ سولہویں صدی میں جب میرے اَجداد میں سے ہیبت خان نیازی' کی سلطان اسلام شاہ کے خلاف بغاوت کے دوران' کشمیریوں نے اسکو دغا دیا' تو وہ حیران رہ گیا اس دوران اس پر ایک بے پناہ قوت کے ساتھ حملہ کر دیا گیا۔ اسکے مختصر سے نیازیوں کے دستے نے آخر دم تک بہادری کے ساتھ مقابلہ کیا' اور ہیبت خان کی بیوی انتہائی دلیری کے ساتھ اپنے شوہر کے شانہ بشانہ لڑی۔ وہ اسکے ساتھ ہی مری' مرتے دم تک اسکے ہاتھ میں تلوار تھی۔ جالندھر میں بستی پٹھانان میں کچھ ایسے واقعات بھی ہوئے' جہاں عورتوں نے سکھ حملوں کے خلاف بستیوں (قلعہ بند رہائشی علاقے) کی حفاظت کے لئے اپنے مَردوں کی مدد کی۔

ابھی حال ہی میں' خیبر ایجنسی میں براک کے مقام پر ایک واقعہ ہوا جس میں ایک آفریدی عورت کی ایسے شخص سے شادی ہو گئی جسے اسکے دو بھائی پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک روز اس کے بھائیوں نے چُھپ کر اسکے شوہر پر حملہ کرنیکا فیصلہ کیا' اتفاق سے اس نے ان دونوں کو حملے کے لئے چُھپے ہوئے دیکھ لیا' اور اس نے ان دونوں کو وہیں گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ بعد میں اس نے اپنے باپ سے کہا کہ اگر وہ اسکے شوہر سے اس قدر نفرت کرتے تھے' تو انہیں پہلے شادی کی اجازت ہی نہیں دینی چاہیے تھی' مگر اب جبکہ اس کی شادی ہو چکی تھی' اپنے شوہر کی حفاظت کرنا اس کا فرض تھا۔ غم زدہ باپ کو اسکی یہ بات سمجھ آ گئی اور اس نے اس معاملے کو رفع دفع کر دیا۔

حالیہ دنوں میں ایک اور واقعہ میں خیبر ایجنسی کی آفریدی عورتوں نے ایف سی آر کے نظام کے تحت اپنے مَردوں کی گرفتاری کے خلاف مظاہرے کا اہتمام بھی کیا تھا۔

freepdfpost.blogspot.com

غیر قانونی محبت کے لئے کوئی جگہ نہیں

رومیو اور جولیٹ جیسے کرداروں کے لئے قبائلی علاقہ جات میں کوئی جگہ نہیں۔ صرف خاندانوں کے ذریعے طے شدہ شادیوں ہی کی اجازت ہوتی ہے۔ بھاگ جانے والے کسی بھی جوڑے کو انجام کا پتہ ہوتا ہے۔ اگر وہ پکڑے جائیں تو ان دونوں کو موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ قبیلے میں

www.facebook.com/PK322

www.freepdfpost.blogspot.com

کوئی شخص بھی اس جوڑے کو پناہ دینے کا روادار نہیں ہو گا۔ انکے لئے ایک ہی راستہ ہے کہ وہ کسی اور قبیلے میں پناہ حاصل کریں۔ خاص طور پر وہ قبیلہ جو انکے قبیلے کا مخالف ہو۔ لڑکی کے خاندان کی طرف سے ہونے والے غیض و غضب کے علاوہ' قبائلی اخلاقیات بھی کسی لڑکی کو بھگا لے جانے کی حوصلہ شکنی کرتی ہیں۔ درحقیقت' قبیلہ بذاتِ خود اس جوڑے کو تلاش کرنے میں تعاون کرے گا' جو چاہے آباد علاقہ جات میں چلے جائیں' کبھی بھی خود کو محفوظ تصوّر نہیں کر سکتے۔

اورک زئی تراہ میں میرے دَورے سے کچھ دن قبل' ایک شیعہ لڑکی ایک سُنّی لڑکے کے ساتھ فرار ہو گئی تھی۔ مکمل طور پر مسلّح ہو کر شیعہ قبیلہ' جنگ پر آمادہ تھا' اور جب تک لڑکے اور لڑکی کو ان کے حوالے نہیں کر دیا گیا۔ وہ لڑائی کے لئے تیار بیٹھے رہے۔ اگرچہ اس جوڑے نے آپس میں شادی کر لی تھی' لڑکی کو اسکے خاندان کے حوالے کر دیا گیا جس نے اسے گولی مار دی۔ لڑکا آفریدی تراہ کی جانب بھاگ کر بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔

اگر کسی شخص کو پتہ چلے کہ اس کی بیوی اس سے وفادار نہیں ہے' تو وہ پہلے اس کو گولی مارے گا اور پھر جرگے سے رجوع کر کے یہ مطالبہ کرے گا کہ یا تو وہ اس کے عاشق کو اس کے حوالے کر دیں تاکہ وہ اسے گولی مار دے یا پھر وہ اسے مار ڈالیں۔ اس بات کا کوئی سوال نہیں کہ عاشق کے دوست یا اس کا خاندان اس کو کوئی تحفظ فراہم کریں گے۔ یہاں تک کہ باپ بھی اپنے بیٹے کو موت کی سزا کے لئے ان کے حوالے کر دے گا۔

اگرچہ' اس ساری بات سے شاید یہ تاثر اُبھرے کہ یہ یہاں روز کا معمول ہے' حقیقت میں ایسا ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ اس طرح کے فعل کے ارتکاب میں مانع ہونے میں مددگار ثابت ہوتا ہے" کسی بھی ذیلی قبیلے میں' ایسا واقعہ کسی عشرہ میں ایک آدھ بار ہی پیش آتا ہے۔

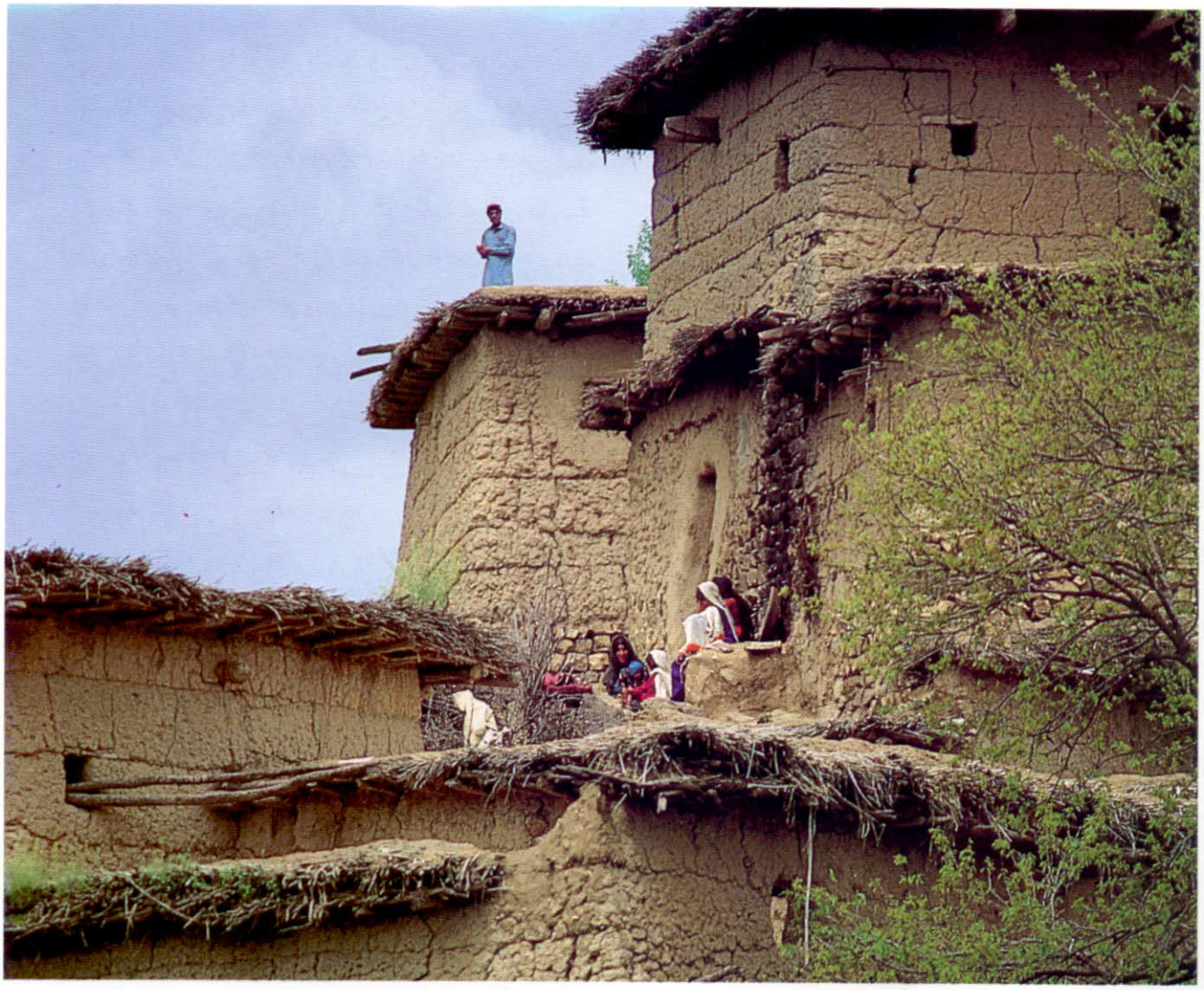
پٹھانوں میں مروّج اسلام' کسی نہ کسی اعتبار سے' عورتوں کو طلاق لینے کی مخالفت کرتا ہے۔ جبکہ اسلام میں اسے ایسا کرنیکی اجازت ہے۔ دراصل' محسود علاقے میں جب کوئی شخص کسی عورت کو طلاق دیتا ہے تو وہ اصرار کرتا ہے کہ اس علاقے میں کوئی اور شخص اس سے شادی نہ کرے۔ وہ صرف قبیلے سے باہر ہی کسی شخص سے شادی کر سکتی ہے ایسے واقعات ہوئے ہیں جن میں محسود عورتیں وزیری قصبات اور وزیری عورتیں محسود قصبات کی جانب فرار ہو گئیں۔

طے شُدہ شادیاں

محسود قبیلے میں اگر کوئی خاندان کسی خاص خاندان کی لڑکی سے اپنے بیٹے کی شادی کرنا چاہتا ہو' تو وہ اس خاندان کے گھر پھلوں کی ایک ٹوکری بھیجتے ہیں۔ اگر یہ پھل قبول کر لئے جائیں' تو اس گھرانے کی ایک دو عورتیں لڑکی کو دیکھنے جاتی ہیں اگر لڑکی قابلِ قبول ہو' تو شادی طے پا جاتی ہے۔ پورے قبائلی علاقہ جات میں' تھوڑے بہت فرق کے ساتھ' ایسا ہی دستور رائج ہے۔

اگرچہ ہر قبیلے میں شادی کی رسومات مختلف ہیں' یہ روایت سب میں مُشترک ہے کہ مَرد دلہن کی قیمت (ایک رقم جو دلہن کے والد کو ادا کی جاتی ہے) ادا کرتا ہے۔ لڑکی کے خاندان کی عزت و توقیر اور اس

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



خاص علاقے کی خوشحالی کی بنیاد پر رقم میں فرق ہو سکتا ہے۔ باہر کے لوگوں میں یہ غلط فہمی پائی جاتی ہے' کہ جو کوئی بھی استطاعت رکھتا ہو' وہ قبائلی علاقہ جات سے کسی عورت کو خرید سکتا ہے۔ درحقیقت' لڑکی کے والدین والے خاندان کی عورتوں کو آنے کی اجازت دینے سے قبل اس رشتے پر بہت زیادہ غور وخوض کرتے ہیں۔ وہ ان باتوں پر توجہ دیتے ہیں کہ اس مرد کے خاندان کی عزّت و توقیر کتنی ہے' اور وہ کس حد تک لڑکی کی دیکھ بھال کرنے کے اہل ہیں' شاذ و نادر ہی لڑکی کا رشتہ قبیلے سے کہیں باہر کیا جاتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں پاکستان میں ہندوؤں کی اپنائی ہوئی جہیز کی رسم کی نسبت پٹھانوں کے لڑکی کے باپ کو رقم ادا کرنیکا دستور کہیں زیادہ بہتر ہے۔ جہیز کے نظام میں' دلہن کو کچھ رقم' مادی اشیاء اور زیورات کو اپنے ہمراہ لانا پڑتا ہے۔ کچھ غریب والدین اپنی بیٹی کو بیاہنے کے عمل میں تہی دامن ہو جاتے ہیں' اور ان میں سے اکثر بیٹوں کی بجائے بیٹیوں کے پیدا ہونے پر افسردہ ہو جاتے ہیں۔ دولہے کا خاندان اس بات کا تعیّن کرتا ہے کہ انہیں کس طرح کا جہیز چاہئے' اور شادی اس بات سے مشروط ہوتی ہے کہ دلہن کا خاندان ان مطالبات کو پورا کرنیکا اہل ہے یا نہیں۔ یہاں

عورتیں گھریلو کام کاج کے بعد اورک زئی تراہ میں گھروں سے باہر استراحت کر رہی ہیں۔ یہ گھر پہاڑیوں پر بنے ہوئے ہیں۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

تک کہ ائرکنڈیشنرز' ریفریجریٹر اور کار جیسی مادی اشیاء کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ میرے خیال میں جہیز کا نظام غیر اسلامی مادیت پرست اور نفرت انگیز ہے۔ ہندوستان میں ہندوؤں کے کچھ طبقات میں اس نظام نے سماجی مسائل کو جنم دیا ہے۔ بعض اوقات دلہنوں کو' مناسب جہیز نہ دیئے جانے پر اس قدر دباؤ کا سامنا ہوتا ہے کہ وہ خُود کُشی کر لیتی ہیں۔ جہیز کے نظام میں' لڑکی کو خاندان پر بوجھ تصوّر کیا جاتا ہے' جبکہ پٹھانوں اور عربوں میں تو' ایسی ثقافت ہے جہاں دلہنوں کے لئے رقم ادا کی جاتی ہے' عورتوں کو ایک اہم اثاثہ سمجھا جاتا ہے۔

سولہویں صدی کی ایک شادی

صرف یورپی ہی نہیں بلکہ بہت سے پاکستانی بھی یہ سمجھتے ہیں کہ پٹھان کسی بھی ایسے شخص کو جو اسکی استطاعت رکھتا ہو' اپنی عورتیں فروخت کر دیتے ہیں۔ اس غلط فہمی کا بخوبی مظاہرہ اس واقعہ میں ہوتا ہے جو ۱۵۴۰ء کی دہائی میں' دریائے سندھ کے کنارے' نیازیوں میں پیش آیا۔ اگرچہ یہ ساڑھے چار سو سال قبل کی بات ہے' پٹھانوں کا اپنی عورتوں کی جانب روّیہ' اور کسی اجنبی کی اس صورتحال کے بارے میں غلط فہمی' اس وقت بھی تقریباً ایسی ہی تھیں جیسی کہ آج ہیں۔ بنیادی طور پر قبائلی علاقہ جات میں' باقی پُورے برّصغیر کی نسبت عورتوں سے مختلف انداز میں برتاؤ کیا جاتا رہا ہے۔

سُوری قبیلے کے عظیم پٹھان بادشاہ' شیرشاہ سُوری نے' دریائے سندھ کے کنارے ایک علاقے پر' جو نیازیوں کے پاس تھا' اپنے بھتیجے مُبارک شاہ کو گورنر بنا دیا۔ وہاں پہنچنے پر مُبارک شاہ نے ایک لڑکی کے حُسن کے چرچے سُنے جسکا تعلق نیازیوں کی ایک ذیلی شاخ سمجھل سے تھا۔ اسکو دیکھے بغیر اس نے اس کے باپ امداد خان سے اس کا رشتہ مانگ لیا۔ اس بات کے باوجود کہ مُبارک شاہ کا چچا شیرشاہ سُوری تھا۔ امداد خان نے اِس بنا پر اِس رشتے کو مُسترد کر دیا کہ مُبارک شاہ کی ماں ایک کنیز تھی۔

طیش کے عالم میں' مُبارک شاہ نے سمجھلوں پر ظلم و ستم ڈھانا شروع کر دیا۔ بالآخر سمجھل عمائدین کے ایک گروہ نے اس سے مل کر یہ وضاحت کی کہ چونکہ وہ ہندوستان میں پلا بڑھا ہے' اس لئے اسے پٹھان رواجوں کا علم نہیں ہے۔ اُنہوں نے اُسے بتایا کہ پٹھان' عورتوں کے ساتھ دو قسم کا سلوک روا رکھتے ہیں' اور وہ حرم کی کوئی عورت نہیں ہو سکتیں' اور یہ کہ اگر امداد کی بیٹی کے ساتھ زبردستی مبارک شاہ کی شادی کرائی گئی تو یہ پورے قبیلے کی توہین ہو گی۔ مزید برآں' مبارک کی والدہ ایک کنیز رہ چکی تھی' مُبارک شاہ نے غضبناک ہو کر اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وفد کو نکال باہر کریں------ اس کے جواب میں اس توہین پر وہ اِس قدر مشتعل ہوئے کہ انہوں نے مخالفوں کو قتل کر کے مُبارک شاہ کو ہلاک کر دیا۔

شیر شاہ سُوری نے پھر نیازی جرنیل (اس کی مغربی سلطنت کے گورنر) ہیبت خان نیازی کو بھیجا کہ وہ سمجھلوں کو سبق سکھائے مگر وہ پہاڑوں میں چلے گئے' اور پیغام بھیجا کہ وہ اس لئے پیچھے ہٹے ہیں کیونکہ وہ نیازیوں کا خون نہیں بہانا چاہتے۔ (چونکہ وہ خود بھی نیازی تھے)۔ اور اسی لئے انہوں نے اس سے جنگ مول نہیں لی۔ اس کے جواب میں ہیبت خان نیازی نے انہیں کہا کہ' اگر وہ واپس آ جائیں تو وہ انہیں کوئی گزند نہیں پہنچائے گا۔ کیونکہ وہ اس واقعہ کے پس منظر سے آگاہ تھا اور ان سے ہمدردی رکھتا تھا۔ تاہم' جب وہ اسکے پاس آئے' تو ہیبت خان

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

110

نیازی نے انہیں غیر مسلّح کر دیا' اُنکے جنگجُو آدمیوں کی ایک کثیر تعداد کو پھانسی دے دی اور انکی کچھ عورتوں کو شیر شاہ سُوری کے پاس بھجوا دیا۔

شیر شاہ سوری' ہیبت خان نیازی کی اپنے ہی قبیلے سے غدّاری کی وجہ سے بہت آزردہ ہوا۔ اس نے محسوس کیا کہ یہ تخت حاصل کرنے کے لئے اس کی شدید خواہش تھی' جس نے ہیبت خان نیازی کو غداری کے ایسے فعل پر اُکسایا تاہم اس نے یہ بھی سوچا کہ ایسا شخص جو اپنے ہی قبیلے سے ایسی غدّاری کا ارتکاب کر سکتا ہو' تخت حاصل کرنے کے اپنے منصوبے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ یہ سمجھا جاتا ہے کہ شیر شاہ سُوری ہیبت خان نیازی کو گورنر کے عہدے سے ہٹانے کی منصوبہ بندی کر رہا تھا۔۔۔۔۔۔ مگر ایسا کرنے سے پہلے ہی شیر شاہ سُوری ایک حادثے میں ہلاک ہو گیا۔ ستم ظریفی دیکھئے' کہ جب شیر شاہ سُوری کی موت کے بعد' ہیبت خان نیازی تخت حاصل کرنیکی جدّوجُہد میں مصروف تھا' تو اس کے ساتھ بھی لوگوں نے بے وفائی کی۔

تعلیمِ نسواں

قبائلی علاقہ جات کی عورتوں کا سب سے زیادہ افسوسناک پہلو انکی ناخواندگی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ' پورے علاقے میں شاید ہی کہیں تعلیمی نظام پایا جاتا ہے۔ مگر لڑکوں کے لئے جیسی تیسی تعلیم بھی میّسر ہے' لڑکیوں کو ناخواندہ ہی رکھا جاتا ہے' اس لئے کہ مَرد عورتوں کے لئے تعلیم کو ضروری نہیں گردانتے۔

وزیرستان میں' مَیں نے ایک قبائلی بزرگ سے پوچھا کہ یہاں تعلیم پر عمومی طور پر' اور لڑکیوں کی تعلیم پر خاص طور پر زور کیوں نہیں دیا جاتا۔ اس کا مخصوص جواب یہ تھا کہ بحیثیت مجموعی یہاں تعلیم کی مزاحمت کی گئی ہے کیونکہ یہ سمجھا جاتا تھا کہ انگریزوں نے اسے انکی آزادی چھیننے کے لئے استعمال کیا تھا۔ گو کہ اب ان بزرگوں کے تعلیم کی جانب رویئے تبدیل ہو رہے ہیں۔ مگر جہاں تک عورتوں کا تعلق ہے' اس نے سوال کیا' کہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد کیا کر سکتی ہیں۔ وہ جاننا چاہتا تھا' کہ تعلیم کس طرح ان کی زندگیوں کو بدل سکتی ہے؟ وہ کس طرح زیادہ خوشحال ہو سکتی ہیں؟ میں نے اسے تجویز کیا کہ شاید اس طرح وہ اپنے بچوں کی بہتر طریقے سے پرورش کر سکیں۔ مگر مجھے محسوس ہوا کہ یہ سب کہنا بے کار ہے۔ قبیلے کا نکتۂ نظر یہ ہے کہ قبائلی نظام میں' اس سے محض عورتوں میں پراگندہ خیالی پھیلے گی' اور بہتر یہی ہے کہ موجودہ صورتحال کو تبدیل نہ کیا جائے۔

ایک اور معاملے میں' جہاں عورتوں کو خاص طور پر تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے' یہ ہے' جب قبائلی کسی مرد ڈاکٹر سے اپنی عورتوں کا معائنہ کروانے سے انکار کر دیتے ہیں۔ بدقسمتی سے' قبائلی علاقہ جات میں خدمات سرانجام دینے کے لئے بہت کم لیڈی ڈاکٹر دستیاب ہیں اور اس کے نتیجے میں عورتیں اکثر ان بہت کم میّسر' طبی سہولتوں سے بھی محروم رہتی ہیں۔

تاہم ٹیلی ویژن کی وجہ سے ان میں ایک تغیّر رُونما ہو رہا ہے۔ عورتیں اپنے گھروں میں ٹیلی ویژن دیکھ سکتی ہیں' اور اس کے نتیجے میں خود کو تعلیم دینے کی کوششوں کا آغاز کر رہی ہیں۔ خیبر' ایجنسی کے پولٹیکل ایجنٹ' میرے عم زاد' جمشید برکی نے مجھے بتایا کہ' باڑہ میں عورتوں نے واقعتاً بغاوت کر دی ہے۔ انہوں نے ٹیلی ویژن پر دیکھا کہ باقی ماندہ پاکستان میں عورتیں کس طرح رہتی ہیں' جبکہ ان کے نصیب میں اس قدر کٹھن زندگی ہے۔ اور اس وجہ سے زیادہ سہولتوں کا مطالبہ کرنے لگی ہیں شاید' جب قبائلی علاقہ جات میں مَردوں کی تعلیم عام ہو جائے' تو عورتیں بھی اس پر اصرار کریں گی۔ اس لئے کہ اپنی ناخواندگی کے باوجود' وہ ایسی مضبوط عورتیں ہیں جن کو دبایا نہیں جا سکتا۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

111

بابِ ششم

مستقبل کی راہ



Join our Facebook Group
PTI Karak [O F F I C I A L]

قبائلی علاقہ جات میں مجھے اپنا سفر بے حد خوشگوار لگا۔ خاص طور پر، ۱۹۸۰ء کی دہائی۔ اس مادّیت پرستی کے زمانے میں، جس کا اظہار شہری بابوؤں کی صورت میں ہوتا ہے۔ جن کی گفتگو کا محور بیش قیمت کاروں، رہن ناموں، اور منفعت بخش سودوں کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا، شاید میں نے پٹھانوں کو کسی حد تک رومانوی کرداروں کے طور پر پیش کیا ہے، مگر اس زمانے میں بھی ایسی اعلیٰ اقدار کو دیکھ کر مجھے صحیح معنوں میں خوشی حاصل ہوئی۔ میں ان کی تَمکنَت، جو ان کے مُفلس ترین فرد میں بھی پائی جاتی ہے، ان کی صاف گوئی اور انتہائی خوش خلقی، ان کی اپنے بنیادی حقوق اور عزّتِ نفس سے آگہی سے بہت متاثر ہُوا، انسانی مساوات کے بارے میں پٹھانوں کے اعتقاد، کا بھرپور اظہار جرگے کے نظام میں ہوتا ہے، جو جمہوریت کی اساس ہے۔ میں اپنے سکول کے زمانے میں اپنے والد کی کہی ہوئی ایک بات کبھی نہیں بھولا۔ میں نے ان

****

شمالی وزیرستان کے ایک سکول میں برکی اور محسود بچوں کی ایک جماعت کو پڑھایا جارہا ہے۔ تعلیم پر قبائلی علاقہ جات میں خاص زور نہیں دیا جاتا نتیجتاً" یہ سہولت خاصی ناکافی ہے اور کافی توانائی ضائع جارہی ہے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

112



سے پوچھا کہ آیا ہم درمیانے درجے سے تعلق رکھتے ہیں یا اعلیٰ طبقے سے۔ ان کا جواب مخصوص پٹھان سوچ کا غمّاز تھا۔ یہ کہ کوئی بھی ہم سے بڑا یا چھوٹا نہیں ہے۔ کچھ لوگ بس ہم سے زیادہ خوش قسمت ہوتے ہیں۔ ان کی کہی ہوئی بات کا عملی نمونہ میں نے صرف قبائلی علاقہ جات میں ہی دیکھا۔

پٹھانوں کا ناانصافی کو قبول نہ کرنا رُوحِ اسلام کے عین مطابق ہے۔ ناانصافی کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کے سلسلے میں انہوں نے بے پناہ جرأت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور صدیوں سے وہ اپنی آزادی کے تحفّظ کے لئے قربانیاں دیتے آئے ہیں۔

قبائلی سماج میں عزّت و غیرت کی بُنیادی اہمیت کی وجہ سے بہت سے خونی تنازعات نے جنم لیا ہے۔ تاہم، جن مثالوں کا میں نے اس کتاب میں ذکر کیا ہے، وہ صرف انتہائی واقعات ہیں، اور ان کے دوبارہ یہاں ذکر سے ایسے لگا جیسے وہ قبائلی علاقہ جات کی زندگی کا روزمّرہ کا معمول ہیں، جبکہ ایسا نہیں ہے۔ حقیقت میں یہ واقعات کبھی کبھار ہی

اوپر۔ مجھے امید ہے کہ قبائلی علاقہ جات میں تعلیم کے فروغ کے ساتھ لڑکیاں بھی لڑکوں کی طرح مستفید ہو سکیں گی۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

113



رُونما ہوتے ہیں کراچی میں ایک ہفتے میں، پورے قبائلی علاقہ جات میں ہونے والے سال بھر کے جرائم سے زیادہ جرائم وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

پٹھانوں کا اسلام پر بے انتہا پُختہ ایمان ہے۔ اور یہ ایمان ان میں غیر معمولی قوّتِ ارادی پیدا کرتا ہے۔

ہر لحظہ ہے مومن کی نئی شان نئی آن
گُفتار میں کِردار میں اللہ کی بُرہان

قہّاری و غفّاری و قُدّوسی و جبرُوت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مُسلمان

افغانستان میں مغربی اور روسی مُبصّر یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ مجاہدین موت سے بالکل خوف نہیں کھاتے۔ ان کے لئے ذِلّت کی زندگی سے موت بہتر ہے۔ ان میں اس جذبے کی اساس ان کے پُختہ ایمان اور اسلام کے نظریۂ جہاد پر ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ انہیں استحصال اور ناانصافی کی کسی بھی صورت کے خلاف مزاحمت کرنی چاہیے (صرف یہی

درۂ خیبر کے ایک گاؤں میں آفریدی بزرگوں کے ساتھ قبائلی علاقہ جات میں ممکنہ ہونے والی تبدیلیوں سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com





www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

نہیں کہ وہ خود کو نو آبادی بنانے کی مزاحمت کریں' بلکہ ہر قسم کے حالات مثلاً غربت کے خلاف بھی جدوجہد کریں)

بُتوں سے تجھ کو اُمیّدیں خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

پاکستان میں بھی یہی مصیبت ہے کہ ہم خدا اور اسلام پر بھروسہ کرنے کی بجائے سپرپاور اور ورلڈ بنک کے آگے ہاتھ پھیلائے کھڑے ہیں جبکہ ہمارا ملک اسلام کے نام پر بنا تھا۔

یقیناً' پختہ اعتقاد و تعلیم کی عمومی کمی کی وجہ سے یہاں مُلّا کا اثر و رسوخ بے انتہا زیادہ ہے۔ قرآن میں مُلّائیت کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ اس لئے کہ ہر مسلمان کو قرآن پڑھنا اور اسے سمجھنا چاہئے۔ یہ بھی ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اس کے پیغام کو پھیلائے۔ جو کوئی بھی تعلیم یافتہ ہو' وہ قرآن کو بہتر طور پر سمجھ سکتا ہے نماز کی امامت کر سکتا ہے اور خطبہ (اسلام پر تقریر) دے سکتا ہے۔ اس لئے مسجد کے نگرانوں کے لئے مُلّاؤں کو معاوضہ دینے کا کوئی جواز نہیں۔ کچھ مذہبی لوگ عُلما بن گئے اور کچھ نے نو آبادیاتی طاقتوں کے خلاف جنگ میں قبائلیوں کی قیادت کی۔ مگر ایسے واقعات بھی ہوئے ہیں جن میں مُلّاؤں کو رشوت دی گئی۔ حال ہی میں ایک **پولیٹیکل** ایجنٹ نے مجھے بتایا کہ ایجنسی پر کنٹرول کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مُلّاؤں کو رشوت دی جاتی ہے' تاکہ وہ سرکاری حکمتِ عملی کا پرچار کریں۔

تعلیم کی عمومی کمی کے اثرات میں سے ایک اجتہاد کا نہ ہونا ہے۔ نتیجتاً مُلّا اسلام کی تشریح کرنے کو اپنا حق سمجھتے ہیں' اور اس وجہ سے دوسرے مذہبی عقائد اور اسلام پر دوسرے نکتہ ہائے نظر کے بارے میں ناروا داری کے رویّے پروان چڑھنے کا احتمال رہتا ہے۔ حالانکہ اسلام رواداری کا درس دیتا ہے۔

پٹھانوں نے' صدیوں سے اپنی روایات اور طرزِ حیات کو محفوظ رکھا ہے' مگر کچھ تبدیلی ناگزیر ہے۔ برّصغیر کے عظیم فلسفی شاعر اقبالؔ کے نزدیک "ثبات ایک تغیّر کو ہے زمانے میں۔" مثلاً ایک فرق بالکل عیاں نظر آتا ہے۔ روایتی پٹھانی پگڑی اب سر ڈھانپنے کا واحد طریقہ نہیں رہ گئی ---- نسبتاً کم دُور دراز علاقوں میں اب جدید تر ٹوپیاں پہنی دیکھی جا سکتی ہیں مثلاً خیبر ایجنسی میں' پندرہ سال قبل' ہر شخص پگڑی پہنتا تھا۔ جبکہ اب صرف دس میں سے ایک شخص ایسا کرتا ہے۔ بالغ رائے دہی ایک ایسی تبدیلی ہے جس کے دُور رس اثرات مرتب ہو سکتے ہیں۔ قبائلی علاقہ جات میں اس کا اطلاق ہونا اب ناگزیر ہو چکا ہے کیونکہ قبائل کے نوجوان اور تعلیم یافتہ لوگوں کی جانب سے اس کے لئے دباؤ بڑھتا جا رہا ہے۔ پاکستانی حکومت کو انگریزوں کی فرسودہ حکمت عملی کی تقلید کرنے کی بجائے' قبائلیوں کے ساتھ معاملات کرنے کے لئے بہر صورت کوئی نئی صورت وضع کرنی چاہئے۔

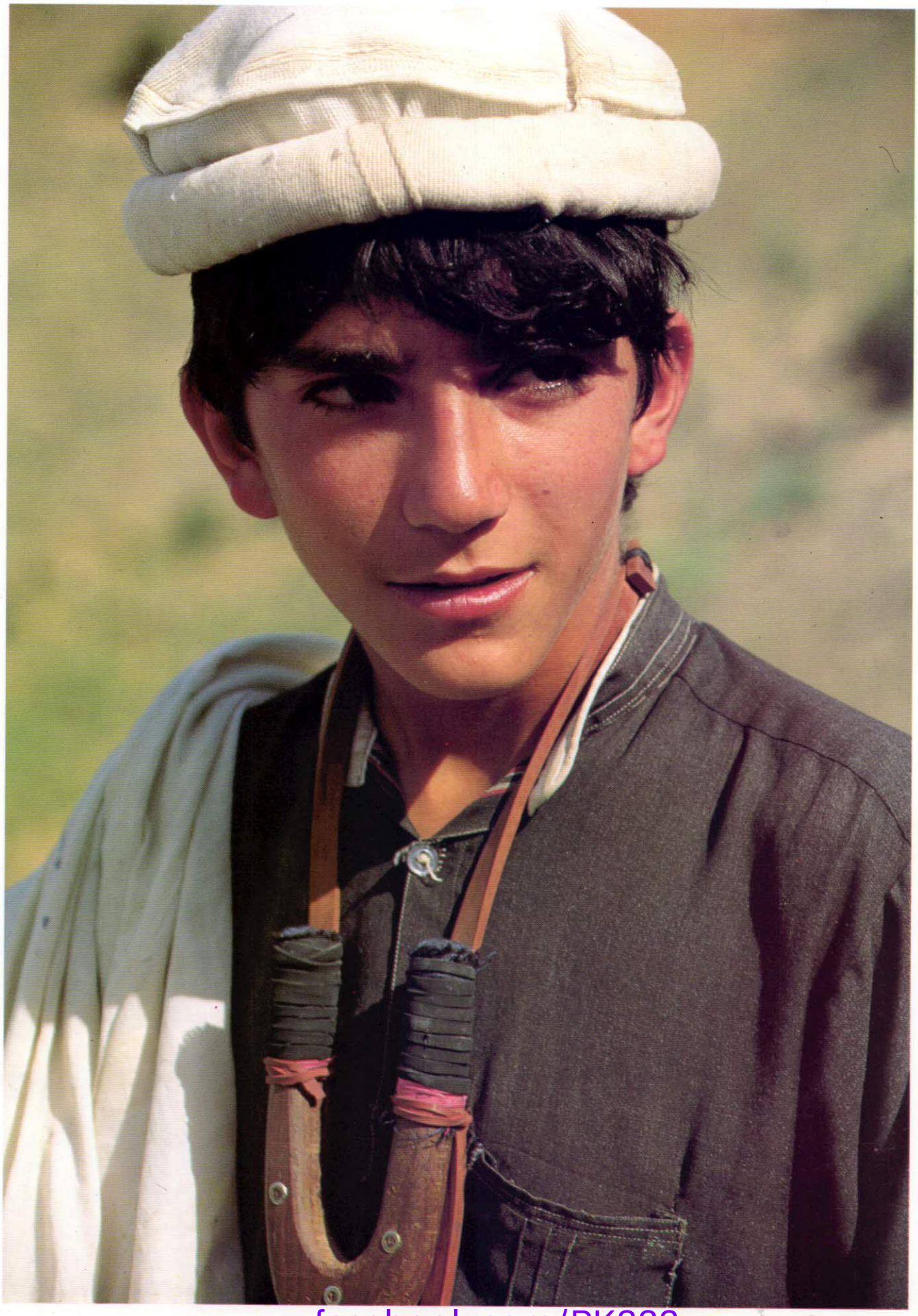
قبائلی علاقہ جات میں ٹیلی ویژن از حد مؤثر ثابت ہُوا ہے۔ پچھلے ایک عشرے میں کرکٹ کے بڑی سرعت سے مقبول ہونے کے علاوہ' اس کی وجہ سے یہاں کی عورتوں نے خود تعلیم حاصل کرنا شروع کر دی ہے اور وہ پوچھنے لگی ہیں کہ کیا اُن کی زندگیوں کو نسبتاً آسان بنایا جا سکتا ہے۔ ٹیلی ویژن ہی نہیں' بلکہ کراچی اور خلیج میں کام کرنے والے پٹھانوں کی قبائلی علاقہ جات میں پہنچنے والی بڑھتی ہوئی دولت کی وجہ سے بھی پٹھانوں کے نظامِ اقدار میں مادیت پرستی کے داخل ہونے کا اندیشہ ہے۔

اس کے باوجود' پٹھان اپنے قبائلی رواجوں' روایات اور ورثے کا بے حد احترام کرتے ہیں' جس کا مَیں خاص طور پر مُعترف ہُوں۔ کوئی پٹھان کتنا ہی تعلیم یافتہ اور مُہذّب کیوں نہ ہو۔ جب بھی وہ اپنے وطن واپس آتا ہے' وہ اپنا قبائلی لباس ہی پہنتا ہے۔ ہندی برصغیر کے برعکس' جہاں اشرافیہ عوام سے خود کو ممتاز کرنے کے لئے مغربی لباس پہنتی ہے۔

مزید برآں' قبائلی علاقہ جات میں ہر شخص فخر سے پشتو زبان بولتا ہے۔ میں جب بھی وہاں گیا' اور لوگوں نے دیکھا کہ میں روانی سے پشتو نہیں بول سکتا' انہیں اور خاص طور پر بچوں کو بہت مایوسی ہوئی۔ اس حقیقت سے کہ میرے اجداد' صدیوں سے پنجاب کے میدانوں میں آباد ہیں اور پشتو بولنا چھوڑ چکے ہیں (ان کے نزدیک) کوئی فرق نہیں پڑتا ---- ان کی رائے میں ہر پٹھان کو پشتو بولنا چاہئے۔ اس کے برعکس' تعلیم یافتہ پنجابی اپنے بچوں سے' اپنی مقامی بولی پنجابی کے بجائے اردو میں بات کرتے ہیں' اور باقی پاکستان میں کہیں بھی' مغرب زدہ اشرافیہ' اکثر

سامنے اوپر۔ وقت کے تغیر سے پاک ایک زمینی منظر: جنوبی وزیرستان میں منزئی کے قریب ایک گڈریے کا جھونپڑا۔
سامنے نیچے۔ ایک قبائلی تاریخی درہ گومل کا جائزہ لے رہا ہے' جنوبی وزیرستان

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com



www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

117



بچوں سے انگریزی میں بات کرتی ہے۔

انگریزی تعلیم سے نفرت:

قبائلیوں کی انگریزی تعلیم کے خلاف مزاحمت کی وجہ' ان کا اپنی آزادی کے تحفّظ کا عزم تھا۔ وہ نہیں چاہتے کہ انگریز اپنی تعلیم کے ذریعے ان پر ایک اجنبی ثقافت مسلّط کر دیں۔ جس طرح کہ ۱۸۱۲ کے بعد ہندوستان میں ہوا۔ جب لارڈ میکالے نے انگریزی زبان کو ہندوستانی اشرافیہ کی زبان بنا دیا۔ (اس کے پس منظر میں) نظریہ یہ تھا کہ ایک ایسا طبقہ پیدا کیا جائے' جو خود تو ہندی ہو' مگر انگریزوں کی طرح بولے' برتاؤ کرے اور سوچے اور برّصغیر میں برطانوی مفادات کی نمائندگی کرے۔ ژاں پال سارتر' فرینز فینن کی کتاب "اُفتادگان خاک" کے دیباچے میں لکھتا ہے کہ "انیسویں صدی' نو آبادیاتی دَور کے سنہرے زمانے میں' ہم افریقہ' ایشیا اور لاطینی امریکہ سے جعلی آزاد خیال دانشوروں کو یورپ لے آتے تھے اور انہیں لِزبن' پیرس' لندن اور ایمسٹرڈم میں گھماتے تھے۔ کچھ مہینوں بعد' جب وہ خود کو کچھ نئے اطوار' رقص' لہجے کی کچھ تبدیلی' جدید طرزِ زندگی اور مختلف نقالیوں سے آراستہ کر چکے ہوتے' تو ہم انہیں ان کے علاقوں میں واپس بھیج دیتے اپنی واپسی پر' یہ لوگ خود کو ایک برتر نسل سمجھتے' اور لاؤڈ سپیکر پر' قوّت والوں کا مقصد پورا کرنا شروع کر دیتے' یعنی جو کچھ ہم نے انہیں سکھایا ہوتا وہ طوطے کی طرح اسے دہراتے رہتے۔ یہ لوگ نہ صرف نو آباد کار' معاشرے کا بالائی طبقہ ہوتے' بلکہ یہ مقامی لوگوں تک ہماری خواہشات کی ترسیل کے لئے پُل کا کام بھی سرانجام دیتے۔"

اِن دنوں پاکستان کا ایک طبقہ سوسالہ غلامی' اور حال ہی میں مغربی

روایتی پگڑی پہنے ایک قبائلی

سامنے۔ نوجوان آج بھی فخر سے اپنا قبائلی لباس پہنتے ہیں۔ اپنی عمر کے مطابق اسلحہ سے لیس ہوتے ہیں۔ اس لڑکے نے فقط ایک غلیل اٹھا رکھی ہے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

ذرائع ابلاغ کے غلبے کی بنا پر' اپنے ہی سماج کو رجعت پذیر سمجھنے لگا ہے اور وہ کوشش کرتا ہے کہ خود کو عوام سے دُور ہی رکھے۔ ثقافتی طور پر' ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان بے سمت ہیں اور پراگندہ خیالی میں مُبتلا ہیں۔ کمال اتا ترک کی طرح' ہم اس فریب کا شکار ہیں کہ ترقی کا راستہ' بجائے اس کے کہ مغربی تمدّن کی اچھی خصوصیات کو اپنا کر ان سے سیکھا جائے' اس کی اندھا دُھند تقلید میں کوشاں ہیں۔ مجھے یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا کہ تُرک اپنی عظیم تاریخ پر فخر کرنے اور اپنی ثقافت کو ترقی دینے کی بجائے اس بات کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں کہ انہیں دوسرے درجے کا یورپی ہی تسلیم کر لیا جائے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کسی قوم کا کلچر اندھا دھند اپنانے سے کوئی ملک ترقی نہیں کر سکتا' ایسا ہوتا تو ترکی اس وقت بہت ترقی یافتہ ملک ہوتا اور سُپرپاورز کی فہرست میں شمار ہوتا۔ ہوا یہ کہ مغربی کلچر کی تقلید میں ترک نہ صرف اپنے کلچر سے ناآشنا ہیں بلکہ احساسِ کمتری کا شکار ہیں کوئی قوم اسی وقت ترقی کر سکتی ہے جب اسے اپنے کلچر پر فخر ہو اور وہ اس کے سہارے ترقی کرے اور آگے بڑھے۔ اگر ہمیں دوسروں سے اپنے کلچر کی عزّت کروانی ہے تو پہلے خود اپنے' اسلاف کی روایات اور کلچر کی عزّت کرنا ہو گی۔ پاکستان میں ہم' مغرب کے ان پہلوؤں سے استفادہ کر سکتے ہیں جن کی وجہ سے وہ اپنے موجودہ ٹیکنیکی اعتبار سے ترقی یافتہ درجے تک پہنچے ہیں۔ مگر ہمیں قبائلی پٹھانوں سے بھی خود انحصاری اور عزّتِ نفس کا سبق لینا چاہئے۔ جو ہماری بقا کے لئے غیر ملکی عنایات پر انحصار کی صورت میں ہم میں کبھی بھی نہیں پنپ سکتی۔

پٹھانوں کی یہ آزادی پسند فطرت تھی' جو سترھویں صدی کے پٹھان شاعر' خوشحال خاں خٹک کے مغل فوج سے علیحدگی اختیار کرتے وقت ان لافانی الفاظ کا محرّک بنی "جب تک میں ایک افسر تھا میں ایک غلام تھا' منصب چلا گیا (اب) میں ایک بادشاہ ہوں"

○

خوشحال خان خٹک کی وصیّت

قبائل ہوں ملّت کی وحدت میں گُم
کہ ہو نام افغانیوں کا بلند
محبّت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند
مُغل سے کسی طرح کمتر نہیں

کُہستاں کا یہ بچہ ارجمند
کہوں تجھ سے اے ہم نشیں دل کی بات
وہ مدفن ہے خوشحال کو پسند
اُڑا کر نہ لائے جہاں بادِ کوہ
مُغل شہسواروں کی گردِ سمند

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

علّامہ اقبال اور ملّت افغانیاں

Join our Facebook Group
PTI Karak [OFFICIAL]

غیرت مند مسلمان کی تفہیم پر ایک گفتگو کے حوالے سے میں نے جناب ڈاکٹر غلام مرتضیٰ ملک صاحب کو علامہ اقبال اور سید جمال الدین افغانی کے حوالے سے اپنی اس کتاب میں شامل کرنے کیلئے خصوصی مضامین لکھنے کی درخواست کی تھی۔ میں اس اعانت پر ڈاکٹر صاحب کا بے حد شکر گزار ہوں

_____ (عمران خان)

علّامہ اقبالؒ ایک آفاقی شاعر ہیں جو رنگ و نسل کی حدود کو تسلیم نہیں کرتے۔ انہیں دنیا کی کسی قوم سے نہ تو اس وجہ سے کوئی دلچسپی ہے کہ وہ سفید ہیں یا سیاہ ہیں' نہ اس وجہ سے کہ وہ کسی خاص علاقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ افریقی ہیں یا امریکی' یورپی ہیں یا ایشیائی' ہندی ہیں یا غیر ہندی' وہ حجازیوں سے بھی شکوہ رکھتے ہیں کہ

تو نام و نسب کا حجازی ہے پر دل کا حجازی بن نہ سکا

وہ ترکانِ عثمانی سے بھی گلہ رکھتے ہیں کہ انہوں نے مغرب کی اندھی تقلید کی' مغرب پرست بنے اور عظیم سلطنت و خلافت برباد کر ڈالی۔

علامہؒ رنگ و نسل کی تمیز کو حرام قرار دیتے ہیں۔ ان کے مزارِ اقدس پر جائیں تو یہ قطعہ لکھا ہوا نظر آتا ہے۔

نہ افغانیم و نے ترک و تاتاریم
چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیزِ رنگ و بُو برما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم

مفہوم: نہ ہم افغانی ہیں' نہ ترک ہیں اور نہ تاتاری ہم تو ایک ہی باغ اور ایک ہی شاخ کی پیداوار ہیں' ہم پر رنگ و بُو کی بنیاد پر کسی قسم کا تعصب کرنا حرام ہے کیونکہ ہم سب لوگ ایک ہی بہار کے پروردہ ہیں۔

ہماری اصل حقیقت صرف یہ ہے کہ ہم سب لوگ گلستانِ محمدیؐ کے پودے ہیں' ہماری اصل پہچان اسلام' اللہ تعالیٰ سے تعلق اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت ہے۔ حضرت سلمان فارسیؓ ایران کے شہزادے تھے' لمبے سفر پر سفر کر کے مدینہ منوّرہ پہنچے' اسلام قبول کر لیا اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں فنا ہو گئے۔ اپنا نام و نسب تک بھول گئے' صرف ایک ہی عصبیت دل میں تھی اور وہ اسلام اور اللہ و رسول سے محبّت تھی۔ لوگ آپ سے ہم و نسب پوچھتے تو بتلاتے' مسلمان ہیں اسلام بن اسلام بن اسلام۔

علّامہؒ ہر قسم کے علاقائی و نسلی تعصّب کو حرام قرار دیتے ہیں لیکن ان کی ایک عصبیّت ہے اور وہ ہے اسلامی عصبیّت! علّامہؒ کو اس قوم سے عقیدت ہے جو شاہین مزاج ہو' جس کی طبیعت میں جھپٹنا' پلٹنا اور پلٹ

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

کر جھپٹنا ہو' جو حرکت کی سراپا ہو' جس میں موج کی سی تیزی و تُندی ہو۔

چہ پُرسی از کجایم چیستم مَن
بخود پیچیدہ اَم تا زیستم مَن
دریں دریا چُو موجِ بیقرارم
اگر برخود نہ پیچم نیستم مَن

ترجمہ: "کیا پوچھتے ہو کہ میں کہاں سے ہُوں اور کیا ہُوں؟ میری حقیقت یہ ہے کہ میں تڑپتا رہتا ہوں تاکہ زندہ رہ سکوں اس دریا کے اندر مَیں موج کی طرح سے بے قرار ہُوں اگر موج کی طرح سے نہ تڑپوں تو ختم ہو جاؤں"

اس لئے کہ موج کا وجود بحیثیت موج اسی وقت تک باقی رہتا ہے جب تک وہ تڑپتی رہے۔ اگر موج تڑپنا پھڑکنا چھوڑ دے تو وہ کھڑا پانی بن جائے' بطور موج باقی نہ رہے۔

اس اعتبار سے علّامہ اقبال کو افغانیوں سے بے پناہ محبت ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ملّتِ افغان میں قوّت' حرکت' زندگی' جوش' جذبہ اور موج کی سی تُندی اور روانی ہے۔ کہتے ہیں۔

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کُہستانی

پیامِ مشرق میں امیر امان اللہ کو خطاب کرتے ہوئے علّامہ اُمّتِ مُسلمہ کی بے کسی کا رونا روتے ہیں اور امیر امان اللہ سے التماس کرتے ہیں کہ وہ افغان قوم کو تعلیم و تہذیب سے آراستہ کریں تاکہ آگے چل کر یہ قوم اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے عالمِ اسلام کو اس بھنور سے نکالے جس میں وہ اس دَور میں پھنسی ہوئی تھی۔ کہتے ہیں'

دیدہ ای اے خسروِ کیواں جناب۔۔ آفتابِ ماتوارت بالحجاب

ترجمہ: "اے جناب بادشاہ! آپ نے دیکھا کہ ہماری قوم کا سورج چُھپ گیا ہے" قوم زوال کا شکار ہو چکی ہے۔

آلِ عثماں در کمینِ روزگار۔ مشرق و مغرب زخونش لالہ زار

ترجمہ: "تُرکانِ عثمانی شکنجِ روزگار میں پھنس گئے ہیں اور مشرق و مغرب ان کے خون سے لالہ زار ہو گئے۔"

یعنی مسلمانوں کی خلافت ختم ہو گئی اور جنگِ عظیم اوّل میں شکست کے نتیجہ پر ترکانِ عثمانی کی نہ صرف سلطنت تباہ ہو گئی بلکہ اہلِ یورپ نے ان کی پانچ سو سالہ حکومت سے بدلہ لیا اور انہیں خون میں نہلا دیا۔

عشق را آئینِ سلمانی نماند۔۔ خاکِ ایراں ماند و ایرانی نماند

مفہوم: حضرت سلمان فارسی جو طریقِ عشق کے رہبر تھے اور اہلِ ایران کے لئے تقلید کے قابل تھے' اہلِ ایران کی نظر سے اوجھل ہو گئے۔ اہلِ ایران نے طریقۂ سلمانی چھوڑ دیا اور واپس اپنی قومی جہالت کی طرف لوٹ گئے۔ ملک ایران تو باقی ہے مگر اصل اسلامی ایرانی تہذیب باقی نہ رہی۔

ہندوستان کے مسلمانوں کے بارے میں کہتے ہیں

"مُسلمِ ہندی شکم را بندہ ای.... خود فروشے دل زدیں برگندہ ای

ترجمہ: "ہندی مسلمان اپنے پیٹ کا غلام بن چکا ہے۔ اپنے آپ کو بیچ چکا ہے اور دین کو اپنے دل سے نکال چکا ہے۔"

دیکھئے اس نظم میں ترکانِ عثمانی' اہلِ ایران اور مسلمانانِ ہند سے گلہ و شکوہ بیان کرنے کے بعد علّامہ کس طرح سے افغانیوں کی تعریف کرتے اور ان سے کیسی کیسی امیدیں باندھتے ہیں' کہتے ہیں۔

"ملّت آوارۂ کوہ و دمن' در رگِ اُو خونِ شیراں موجزن"

ترجمہ: "وہ ملّتِ افغان جو پہاڑوں اور وادیوں میں آوارہ پھرتی ہوئی نظر آتی ہے' اس کی رگوں میں شیروں کا خون موجیں مار رہا ہے"

زیرک و روئیں تن و روشن جبیں' چشمِ اُو چُوں جرّہ بازاں تیز بیں

ترجمہ: "یہ افغانی قوم بہت چالاک ہے' قوی بدن اور روشن جبیں رکھتی ہے۔ اس کی آنکھ عقابی ہے اور بہت دُور تک دیکھ سکتی ہے۔"

جانِ تو بر محنتِ پیہم صبور۔ کوش در تہذیبِ افغانِ غیور

ترجمہ: "اے بادشاہ تیری زندگی مستقل پیہم محنت اور صبر سراپا ہے تجھ سے درخواست ہے کہ اس غیرت مند قوم' ملّتِ افغان کی تعلیم و تہذیب کا بندوبست کر"

زندگی جُہد است و استحقاق نیست۔ جُز بعالم النفس و آفاق نیست

ترجمہ: "زندگی مختلف اشیاء پہ خواہ مخواہ حق جتانے کا نام نہیں ہے۔ بلکہ

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

121

زندگی مسلسل جدّوجُہد و کاوش کا نام ہے۔ زندگی انفس و آفاق کا علم حاصل کرنے کے علاوہ اور کسی چیز کا نام نہیں۔

ہر کہ عشقِ مصطفیٰ سامانِ اُوست۔ بحر و بر در گوشۂ دامانِ اُوست

ترجمہ: "ہر وہ شخص کہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کا عشق اس کا سرمایہ ہے بحر ہو یا بر، سمندر ہو یا خشکی، دنیا کا ہر حصہ اور ہر گوشہ ایسے شخص کے دامن میں خود بخود سما جاتا ہے۔"

وہ دنیا بھر کی نعمتوں کا وارث بن جاتا ہے۔

سوزِ صدیق و علی از حق طلب۔ ذرّۂ عشقِ نبی از حق طلب

ترجمہ: حضرت صدیق اور حضرت علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا سوز و درد اللہ تعالیٰ سے مانگ اور حضورِ سرورِ کائنات سے عشق کا ذرّہ اللہ تعالیٰ سے مانگ" تاکہ دنیا کی امامت و خلافت سے تو بہرہ ور ہو۔

خیز و اندر گردش آور جامِ عشق۔ در کُہستاں تازہ کُن پیغامِ عشق

ترجمہ: "اے بادشاہ اللہ کا نام لے کر اٹھو اور عشق کے جام کو گردش میں لے آؤ۔ ان پہاڑوں کے اندر جس میں افغان قوم بستی ہے پھر سے عشق کا پیغام پہنچاؤ۔

یہاں پر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ علّامہؒ کے ہاں جامِ عشق سے کیا مراد ہے۔ علّامہؒ کے ہاں مجازی عشق نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ ان کے ہاں عشق ذاتِ باری تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارفتگی ہی اصل عشق ہے۔ اس کائنات میں انسان اللہ تعالیٰ کا خلیفہ و نائب ہے۔ پوری کائنات کو انسان کے لئے مسخر کیا گیا ہے۔ ہر چیز انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے اور اس کی خدمت و چاکری پر پابند کی گئی ہے۔

انسان کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی آسمانی تعلیمات کی روشنی میں وہ اس دنیا میں خلافت کا چارج سنبھال لے مگر یہ کام حد درجہ قربانی، سرفروشی اور سرمستی کا مطالبہ کرتا ہے۔ وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی محبت سے سرشار نہ ہو وہ اس وادی میں قدم نہیں رکھ سکتا اور زیستن برائے خوردن کے چکر میں ہی رہے گا۔

اب یہاں پر اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس عشق و مستی کو کیسے اور کہاں سے سیکھا جائے، اللہ تعالیٰ کی تعلیمات پر عمل تو کریں مگر اس کا طریق کار کہاں سے حاصل کریں؟ کس کے نقشِ قدم پر چلیں؟ اس دنیا کی تاریخ میں کوئی تو ایسا ہو گا جس نے خلافت الٰہیہ کا حق ادا کر دیا ہو۔ وہی اصل رہبر ہے، اس کی پوری زندگی کو اپنا لینا چاہیے۔ سفر کا پورا راستہ اسی شخصیت سے لے لینا چاہیے۔ اس کے ہر ہر قدم کو اپنے دل پہ نقش کر لینا چاہیے۔ اس کے نقشِ قدم پر چلنا تو کیا، اس کی ایک ایک ادا پر مرمٹنا چاہیے، ایسی شخصیت کون ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ شخصیت وہی ہو سکتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے چُنا۔ اپنی تمام تعلیمات اس پر نازل کیں اور ان تعلیمات پر عمل کرنے کا طریقہ بھی انہیں الہاماً اور وحیاً سکھا دیا۔ اتنی توفیق بخشی کہ خود اپنی تعلیمات پر ان سے عمل کروایا بلکہ ان کے ذریعے سے انسانوں کی ایسی جماعت کی تربیت کروائی کہ انہوں نے اپنی پوری زندگیوں کو تعلیماتِ الٰہی کے سپرد کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے احکام پر اس طرح سے عمل کیا جیسے اللہ تعالیٰ کے رسول نے خود ان پر عمل کر کے دکھایا۔

یہ شخصیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوری پوری زندگی میں اپنے آپ کو ان کے رنگ میں رنگ لینا مشیت الٰہیہ کا بنیادی تقاضا ہے۔ یہی بندگی و مسلمانی ہے، یہی ایمان اور عمل ہے۔

مگر یہ کام بھی ابوجہل اور ابولہب جیسے دنیا دار اور مصلحت کوشوں کے نہیں، جنہیں چودھراہٹ کے سوا اور کسی بات کا ہوش نہ ہو جو اپنی تجوریاں بھرنے کے لئے دوسروں کا استحصال کرتے رہیں، جو اپنی سُوئی بچانے کے لئے دوسرے کا جہاز ڈبونے سے گریز نہ کریں۔ جو صرف پیٹ اور شرمگاہ کے بندے ہوں۔ جنہیں صرف کھانے اور مزے اڑانے کے علاوہ اور کسی کام کا ذوق حاصل نہ ہو۔ ایسے لوگ دھرتی پر بوجھ ہوا کرتے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول کا نام زبان سے بے شک لیتے ہوں لیکن وہ اللہ اور رسول کے دشمن ہوا کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی بندگی اور نیابت و خلافت کا کام تو سرمست دیوانے کیا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت، عشق اور وارفتگی رکھتے ہوں کہ مال و اسباب تو کیا وہ اس راہ پر

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

اپنی جان بھی قربان کرنے کے طریقے ڈھونڈتے ہوں۔ وہ اپنے لئے نہیں اللہ اور اس کے رسول کے لئے جیتے ہوں اور اللہ کے بندوں کی ہر ضرورت کو اپنی ہر ضرورت پر مقدم رکھتے ہوں۔ انہیں کھانے سے زیادہ کھلانے میں لذّت محسوس ہوتی ہو۔ اس ڈھب کی زندگی عشق کی سرمستیوں کے بغیر حاصل نہیں ہو پاتی۔ علّامہؒ جب بھی جامِ عشق اٹھانے کا ذکر کرتے ہیں' اس سے مراد اس قسم کی والہانہ زندگی کو اختیار کرنا اور دوسروں کو اس کی تربیّت دینا ہے۔ یہی ان کا فلسفہ خودی ہے۔

مندرجہ بالا اشعار میں وہ امیر امان اللہ سے یہی درخواست کر رہے ہیں کہ ملّتِ افغان کو پھر سے عشق کی اس سرمستی سے سرشار کرنے کی کوشش کریں تاکہ ملّتِ افغان پھر سے عالمِ اسلام کی امامت کرے۔ وہ عام مسلمانوں سے بھی اس بات کا مطالبہ کرتے ہیں۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دُنیا کی امامت کا

مثنوی مسافر میں علامہؒ افغانستان کی سیاحت کے بعد اپنے تاثرات اس انداز میں پیش کرتے ہیں کہ گویا ملّتِ افغان اور اقوامِ سرحد جو اس زمانے میں شمال مغربی ہندوستان میں رہائش پذیر تھیں' مستقبلِ قریب میں اپنی جدّوجُہد' جہاد اور قربانیوں کی بدولت اُمّتِ مُسلمہ کی امام بننے والی ہیں۔ اہلِ درّۂ خیبر کے بارے میں کہتے ہیں

خیبر از مردانِ حق بیگانہ نیست۔ در دلِ اُو صد ہزار افسانہ ایست

ترجمہ: یہ درۂ خیبر مردانِ حق سے بیگانہ نہیں ہے۔ اس کے دل میں لاکھوں افسانے ہیں جو مردانِ حق کے جہاد و سرفروشی سے لبریز ہیں۔

لیکن از بے مرکزی آشفتہ روز۔ بے نظام و ناتمام و نیم سوز

مفہوم: لیکن یہ قبائلی علاقے مرکزیت نہ ہونے کی وجہ سے زوال کا شکار ہیں۔ ان کے ہاں کوئی نظام نہیں ہے۔ تربیت اور جہاد کی تیاری کا مناسب انتظام نہیں۔ سوزِ دروں کی متوقع اور مطلوبہ کیفیت موجود نہیں ہے۔

آہ قومے بے تب و تابِ حیات۔ روزگارش بے نصیب از واردات

ترجمہ: آہ یہ قوم افغان زندگی کی تب و تاب سے محروم ہو چکی ہے۔ اس کی زندگی بے نصیب ہے اور وہ وارداتِ روحانی جن کی ان میں صلاحیت ہے' اس وقت ان لوگوں میں نہیں پائی جا رہیں۔

آں یکے اندر سجودایں در قیام۔ کاروبارش چُوں صلاۃِ بے امام

ترجمہ: ان قبائلیوں کی حالت ایسی ہے کہ ان میں کوئی سجدے میں ہوتا ہے تو کوئی قیام میں۔ ان میں کوئی نظام اور ڈسپلن نہیں ہے۔ ان کی پوری زندگی اس ڈھب پر گزر رہی ہے کہ گویا نماز تو پڑھ رہے ہوں مگر بے جماعت اور بے امام۔

مثنوی "پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق" میں علّامہؒ کی نظم "خطاب باقوامِ سرحد" بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اقوامِ سرحد کو خطاب کرتے ہوئے علامہؒ فرماتے ہیں

اے زخود پوشیدہ خود را بازیاب۔ در مسلمانی حرام است ایں حجاب

مفہوم: اے وہ قوم جو اپنے آپ کو بُھول چکی ہے۔ اپنے آپ کو پھر سے دریافت کر کے اپنی پہچان اور اپنی خودی کو پھر سے حاصل کر۔ اسلام میں اپنے آپ سے یوں پردہ کر لینا۔ اپنے مقام' اپنے منصب اور اپنی منزل کو یوں بھلا دینا (اپنی خودی فراموش کر دینا) بالکل حرام ہے۔

علّامہؒ کے ہاں خودی اس بات کا نام ہے کہ انسان اپنے مقام' اپنے منصب' اپنی منزل اور اپنے راستے کو پہچانے۔ اس کو معلوم ہو کہ اسے کس نے پیدا کیا؟ کیوں پیدا کیا؟ کس منزل کی طرف اسے جانا ہے اور اس منزل کے لئے مناسب راستہ کیا ہے؟ یہی اس کی اصل پہچان ہے۔ وہ شخص جسے معلوم نہ ہو کہ کون اس کا مالک ہے۔ کس نے اسے بھیجا؟ وہ کہاں سے آیا اور اسے لوٹ کا کہاں جانا ہے' وہ شخص اپنی پہچان نہیں رکھتا۔ علّامہؒ کا سب سے پہلا پیغام "بنام اقوامِ سرحد" یہ ہے کہ وہ پھر سے اپنی پہچان' حاصل کریں اور اپنی خودی پہچانیں

؎ اپنی خودی پہچان او غافل افغان

ان کی اپنی پہچان کیا ہے؟ فرماتے ہیں:

بندۂ حق وارثِ پیغمبراں۔ اُو نہ گنجد در جہانِ دیگراں

ترجمہ: "اللہ کا بندہ تو پیغمبروں کا وارث ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کے جہانوں میں سما ہی نہیں سکتا"

یعنی جس کام کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو اس جہان میں بھیجا' اللہ تعالیٰ کے بندوں کا اصل کام وہی ہے اس کا ہر بندہ پیغمبر کا وارث ہوتا ہے اور اس کو اپنی منزل کی پہچان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے ملتی ہے نہ کہ مشرق و مغرب کی دوسری تہذیبوں سے

تاجہانے دیگرے پیدا کُند۔ ایں جہانِ کُہنہ را برہم زند

مفہوم: "اس کا مقام یہ ہوتا ہے کہ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

123

روشنی میں وہ نئے سے نئے جہاں پیدا کرتا چلا جاتا ہے اور اس کے لئے دنیائے فرسودہ کے نظام کو برہم کرتا چلا جاتا ہے۔

اند کے گم شو بقرآن و خبر۔ باز اے ناداں بخویش اندر نگر

مفہوم: اے مسلم افغان! تو کب تک قرآن اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بے خبر اور بے نصیب رہے گا اور اس بے خبری کی وجہ سے اپنی منزل اور راستہ کو گم کیے رکھے گا۔ اے ناداں تو قرآن و سیرت کی طرف لوٹ آ تاکہ تجھے اپنے اندر جھانکنے کی توفیق ملے اور تجھے اپنے آپ کو تلاش کرنے کا موقع مل سکے اور تجھے اپنی خودی حاصل ہو۔

در جہاں آوارہ ای بیچارہ ای۔ وحدتے گم کردہ ای صد پارہ ای

ترجمہ: تو دنیا میں بے بس اور بے منزل ہو کر رہ گیا ہے۔ یہ آوارگی منزل اس لئے ہے کہ تو نے اپنی ملّی وحدت کو گم کر دیا ہے اور ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گیا ہے۔ تجھے جو چیز ملّی وحدت عطا کر سکتی ہے وہ تیری اصل پہچان تھی جس کے ذریعہ تو اپنے ہم منزل اور ہم سفر ساتھیوں کے ساتھ مل کر وحدت حاصل کرتا۔ یہ بات تجھے قرآن کریم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے حاصل ہو سکتی تھی۔

رمیرِ خیل از مکرِ پنہانی بترس۔ از ضیاعِ رُوحِ افغانی بترس

مفہوم: اے افغان قبیلوں کے سردار! لوگوں کی چھپی ہوئی چالوں سے ڈرو اور بچو اور اس بات کا خیال رکھو کہ افغان قوم کی اصل عظمت اس کی اسلامی رُوح میں ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اہلِ دنیا اپنے مکر و فریب سے اس رُوحِ افغانی کو برباد کر دیں۔

بندہ باش و برزمیں رَد چُوں سمند۔ چُوں جنازہ نے کہ بر گردن برند

ترجمہ: اللہ کے بندے بن کر رہو اور زمین میں طوفان بن کر ابھرو۔ جنازہ بن کے نہ رہو جسے لوگ اپنی گردن پہ اٹھائے اٹھائے پھریں۔

علامہؒ جب شہنشاہ بابر کے مزار پر جاتے ہیں تو کابل کی بہت تعریف کرتے ہیں اور اسے دلی پہ فوقیت دیتے ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ کابل ایک آزاد شہر ہے جسے بیرونی حملہ آوروں نے بار بار پامال نہیں کیا۔ اس کے برعکس دلی وہ عروسہ ہے جس کے ہزاروں داماد ہیں۔ کہتے ہیں

ہزار مرتبہ کابل نکوتر از دلی است
کہ آں عجوزہ عروسِ ہزار داماد است

ترجمہ: "کابل دلی کے مقابلے میں ہزار مرتبہ بہتر ہے کیونکہ دِلّی اس بڑھیا سہاگن کی طرح ہے جس کے ہزارہا داماد ہوں"

علامہ حکیم سنائی کے مزار پہ جا کر غزنی کے زوال کا رونا روتے ہیں

آہ غزنی آہ حریمِ علم و فن۔ مرغزارِ شیرِ مردانِ کہن

مفہوم: آہ یہ شہر غزنی جو حریمِ علم و فن تھا جو شیر مردوں کا ٹھکانہ تھا، جہاں سے عظیم شخصیتیں اور سپہ سالار اٹھے اور انہوں نے دنیا میں علم و فن اور تہذیب پھیلائی، اب خود علم و فن سے محروم ہو کر رہ گیا ہے۔

علامہؒ ایک طرف ہندوستان کے اسلامی مزاج کی تعریف بھی کرتے ہیں

میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وُہی ہے میرا وطن وُہی ہے

مگر اس کے باوجود ہندوستان اور اہلِ ہند کو ایشیا کا امام نہیں مانتے۔ ان کے نزدیک ایشیا کی اصل امامت ملّتِ افغان کے پاس ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اقوامِ سرحد اور افغانی قبائل اور مسلمانانِ افغانستان اگر دین کی صحیح تربیت حاصل کریں، دین کے تقاضوں کے مطابق اپنی زندگیاں ڈھال لیں اور اس طرح دنیا کے آگے دین کا عَلم اٹھائیں اور اس طرح دینی و ملّی وحدت حاصل کر لیں تو افغانستان اور ملّتِ افغان پورے ایشیا میں امامت کا درجہ حاصل کر لیں گے۔

یاد رہے کہ علامہؒ جس وقت یہ بات کہہ رہے تھے اس وقت کے وسطِ ایشیا اور رُوسی ترکستان پہ اشتراکی روس کا قبضہ ہو چکا تھا اور روس دنیا کی ایک سپرپاور کی حیثیت سے سامنے آ چکا تھا۔ ادھر یورپی اقوام پوری دنیا پہ اپنی سائنسی قوت کا لوہا منوا چکی تھیں۔ لیکن علامہ کے نزدیک ملّتِ افغان پورے ایشیا کا دل ہے۔ ان کے نزدیک اگر یہ ملّت رُوبہ اصلاح ہو جائے اور سچ مچ اسلام کا عَلَم اٹھا لے تو پورے ایشیا میں اسلام پھیل جائے گا۔ اگر ملّتِ افغان بحیثیت دل کے بیمار پڑی تو پورا ایشیا بیمار اور اسلامی دعوت و تہذیب سے خالی رہے گا دیکھئے علامہؒ نے جاوید نامہ میں کتنی اہم بات کہی ہے۔

آسیا یک پیکرِ آب و گِل است۔ ملّتِ افغاں در آں پیکر دل است

ترجمہ: ایشیا مٹی اور پانی کا ایک پیکر ہے، ایک جسم ہے۔ ملّتِ افغان اس جسم کے اندر دل کی حیثیت رکھتی ہے"

کسی جاندار کے جسم میں جو مقام دل کو حاصل ہوتا ہے۔ پورے ایشیا کے ممالک اور اقوام میں وہی مقام ملّتِ افغان کو حاصل ہے۔

از فسادِ اُو فسادِ آسیا۔ در گُشادِ اُو گُشادِ آسیا

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

ترجمہ: اگر ملّتِ افغان فساد کا شکار ہو جائے تو پُورے کا پورا ایشیا فساد کا شکار ہو جائے گا اور اگر ملّتِ افغان فساد کی بجائے اصلاح اور اسلام اختیار کر لے تو پورے کا پورا ایشیا اسلام اور اصلاح کی راہ اختیار کر لے گا۔

اور یہ حقیقت بھی ہے کہ جب تک ملّتِ افغان اسلام پر قائم رہی تو اس کے شمالی علاقہ جات جن میں وسط ایشیا' رُوسی ترکستان' یعنی بخارا' سمرقند' تاشقند' قازکستان اور ترکمانستان وغیرہ ہیں۔ سب کے سب اسلام کے عظیم مراکز رہے لیکن جب ملّتِ افغانستان فساد کا شکار ہوئی تو یہ سب علاقے فساد اور خاص کر روسی اشتراکیت کا شکار ہو گئے۔

بات یہ ہے کہ یہ دو شعر علامہؒ کی دُور اندیشی' بصیرت' بالغ نظری بلکہ ولایت کا کُھلا ثبوت ہیں۔ اب ہم نے دیکھ لیا کہ افغان قوم نے انگڑائی لی اور اس میں حضرت جمال الدین افغانی رحمتہ اللہ علیہ جیسی شخصیت نے جنم لیا تو پُورے عالمِ اسلام میں ہلچل مچ گئی۔ بیداری اور آزادی کی تحریکیں اٹھیں۔ انگریزی' فرانسیسی' ولندیزی اور اطالوی استعماروں کو عالمِ اسلام سے اپنی بساط لپیٹنی پڑی۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ انیسویں صدی میں عالمِ اسلام کو آزاد کرانے میں جتنا اہم کردار جمال الدین افغانیؒ نے ادا کیا وہ کسی اور کے بس کی بات نہیں تھی۔

پھر بیسویں صدی میں ہم نے دیکھا کہ روسی جارحیت کے مقابلے میں ملّتِ افغان نے جس رُوحِ جہاد کا مظاہرہ کیا' وہ کسی اور قوم کے بس کی بات نہ تھی۔ اسی جہاد کے نتیجے میں رُوس جیسی سُپر پاور ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

نتیجہ یہ نکلا کہ وسطِ ایشیا کے وہ تمام علاقے جو روسی استعمار کے قبضے میں تھے' پھر سے آزاد ہو گئے اور ان میں احیائے اسلام کی تحریکیں اُٹھنے لگیں۔

یوں لگتا ہے کہ علامہؒ کی نظر میں یہ بات تھی کہ اگر ملّتِ افغان پھر سے اپنے منصب پر قائم ہو گئی اور اس نے عَلَمِ جہاد بلند کر لیا تو وسطِ ایشیا کی ساری مسلمان ریاستیں پھر سے آزاد ہو کر ایک مضبوط اسلامی اتحاد کی شکل اختیار کر لیں گی۔

اگر گذشتہ پندرہ سال کے واقعات پہ گہری نظر ڈالی جائے اور ادھر علامہؒ کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو یُوں لگتا ہے کہ علامہؒ چشمِ بصیرت سے ان تمام واقعات کو دیکھ رہے تھے۔ کچھ اسی قسم کی بات انہوں نے اُندلس کے دریا "روانِ کبیر" کے کنارے بیٹھ کر کہی تھی

آبِ روانِ کبیر ترے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب

علامہؒ کا یہ شعر انتہائی الہامی ہے اور اس قدر الہامی کہ مستقبل میں بھی ہمیں یہی کچھ نظر آ رہا ہے کہ اگر افغانستان میں فساد اور خانہ جنگی جاری رہی تو عالمِ اسلام کا وسطِ ایشیا سے نہ ربط پیدا ہو سکے گا اور نہ عالمِ اسلام میں اتحاد کی کوئی صورت!

عالمِ عرب' ترکی' ایران اور پاکستان کے مسلمان اس وقت تک وسطِ ایشیا تک نہیں پہنچ سکتے جب تک افغانستان میں پائیدار حکومت اور پائیدار امن قائم نہیں ہو جاتا۔ وہ اس لئے کہ افغانستان ہمارے لئے وسطِ ایشیا جانے کی اصل شاہراہ ہے۔

اہلِ اسلام افغانستان سے گزر کر ملّتِ افغان کی مدد سے ہی وسطِ ایشیا میں وحدتِ ملّتِ اسلامیہ کا راستہ نکال سکتے ہیں اور یہی وہ بھیانک خواب کابوس ہے جس سے اہلِ مغرب لرزاں و ترساں ہیں۔

کسے خبر تھی کہ وسطِ ایشیا کی چھوٹی چھوٹی اسلامی ریاستیں اتنی اہمیت اختیار کر جائیں گی۔ ان میں سے کچھ ریاستیں تو ایٹمی طاقت بھی ہیں۔اس وقت دشمنانِ اسلام کی اصل کوشش یہ ہے کہ افغانستان میں خانہ جنگی اور فساد بند نہ ہونے پائے تاکہ اہلِ اسلام وسطِ ایشیا تک نہ پہنچنے پائیں۔

اگر سوچیں تو دل لرز اٹھتا ہے کہ وہ ملّتِ افغانیہ جس نے روس جیسی سُپر طاقت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے وہ ملّتِ افغانیہ اپنے نفس کے مدِّمقابل آ کر پسپا ہونے لگی ہے۔ کیا انسانی نفس اتنا بڑا دشمن' اتنا طاقتور اور اتنا خطرناک دشمن ہے؟ کیا سُپر پاور سے بھی زیادہ طاقت ور اور خطرناک؟

راقم اس وقت خانہ جنگی میں شریک اکثر قائدین سے بار بار ملاقات کر چکا ہے مگر اس وقت ایک جذبۂ اخلاص اور جذبۂ جہاد غالب تھا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا کی سب سے بڑی طاقت بھی سامنے نہ ٹِک سکی اور اب.... اخلاص کی جگہ نفس پرستی نے لے لی ہے اور نتیجہ ہم سب کے سامنے ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ اِدھر افغانستان میں خانہ جنگی اور فساد ختم ہونے کی دیر ہے اُدھر کشمیر پورے کا پورا ہندوستانی تسلّط سے آزاد ہو

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

کر پاکستان میں شامل ہو جائے گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ قومیں جنہوں نے افغانستان میں جس اخلاص، ہمت اور جانفشانی سے جہاد کیا ہے، وہ اپنے ساتھ کی سرحد پہ اپنی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کے ساتھ بھارتی درندوں کے ہاتھوں ہوتا ہوا ظلم نہیں دیکھ سکیں گی۔ ان کی غیرت ہرگز اس صورتِ حال کو زیادہ دیر تک برداشت نہیں کرے گی۔

لہٰذا ارضِ کشمیر میں بھارت کا وہی انجام ہو گا جو ارضِ افغانستان میں روسی طاغوت کا ہوا۔ جہاد و قربانی کی وہی لہر جسے دنیا نے افغانستان میں دیکھا کشمیر میں بھی اُٹھے گی اور اس کا عَلَم بھی اہلِ کشمیر اور اہلِ پاکستان سے زیادہ ملتِ افغانیہ کے ہاتھ میں ہو گا۔

آسماں ہو گا سحر کے نُور سے آئینہ پوش
اور ظُلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی
سفینہ برگِ گُل بنا لے گا قافلہ مورِ ناتواں کا
ہزار موجوں کی ہو کشاکش مگر یہ دریا سے پار ہو گا

○

بنام ملّتِ افغان

رُودی بدلے، شامی بدلے، بدلا ہندوستان
تُو بھی اے فرزندِ کُہستان، اپنی خُودی پہچان
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان

موسم اچھا، پانی وافر، مٹّی بھی زرخیز---!
جس نے اپنا کھیت نہ سینچا، وہ کب ہے دہقان
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان

اُونچی جس کی لہر نہیں ہے وہ کیسا دریا
جس کی ہوائیں تُند نہیں ہیں وہ کب ہے طوفان
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان

ڈُھونڈ کے اپنی خاک میں جس نے پایا اپنا آپ
اُس بندے کی دہقانی پر سُلطانی قربان
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان

تیری بے علمی نے رکھ لی بے علموں کی لاج
عالم فاضل بیچ رہے ہیں اپنا دین ایمان
اپنی خودی پہچان
او غافل افغان

اقبال

Join our Facebook Group
PTI Karak [OFFICIAL]
www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

126

علّامہ سیّد جمال الدّین افغانی

علّامہ سیّد جمال الدین افغانیؒ ملّتِ اسلامیہ کے ان مشاہیر میں شامل ہیں، جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ

سال ہا در کعبہ و بت خانہ رمی نالد حیات!
تا زبزمِ شوق یک دانائے راز آید بروں

علّامہ سیّد جمال الدین افغانیؒ ملت اسلامیہ کے وہ ماہِ درخشندہ تھے، جنہوں نے تاریکی کے دور میں اس اُمّت کے روز و شب کو تابندگی اور درخشندگی بخشی۔ ایسے لوگوں کو کسی ایک ملک تک محدود رکھنا درست نہیں بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ان پر پوری انسانیت کو فخر ہے تو یہ غلط نہیں ہو گا۔

افغانی بلاشبہ ان کے نام کا ایک لازم حصہ ہے کیونکہ افغانستان ان کا مولد و منبع ہے، لیکن درحقیقت وہ پورے عالمِ اسلام کی ایک مشترکہ میراث تھے۔ تاریخِ اسلام میں ان کے کارنامے دیکھ کر صرف افغانستان نے نہیں بلکہ ساری دنیا نے انہیں خراجِ عقیدت پیش کیا۔ مشرق اور مغرب کی نگاہیں ادب و احترام سے ان کے سامنے جُھک گئیں۔ اپنوں کے علاوہ پرایوں نے بھی ان کے قدموں پر عقیدت کے پھول نچھاور کئے۔ یورپ کے مدبّرین نے انہیں "حکیمِ مشرق" کے لقب سے ملقب کیا۔ انگلستان، فرانس اور روس کے ادیبوں اور اہلِ دانش نے ان کے سامنے گردنیں خم کر دیں۔

خاص طور پر ملّتِ اسلامیہ ان کے بارِ احسانات سے کس طرح سبکدوش ہو سکتی ہے، جسے علّامہ افغانی نے تحریکِ اتحادِ اسلامی (پان اسلام ازم) سے ملا کر ایک کر دیا۔

ایک زمانے میں انگریز پر مہدی سوڈانی کے نام کا بھوت سوار تھا، اسی طرح اہلِ مغرب نے پہلے تو علّامہ افغانیؒ کو خطرناک اور باغی انقلابی قرار دیا اور پھر دنیائے اسلام کی ہر چھوٹی بڑی تحریک میں اسلامی اتحاد کی بُو سونگھ کر انہیں باہم مدغم کر دیا۔ ظاہر ہے کہ اس کا باعث علمی اور تحقیقی سے زیادہ سیاسی اور بددیانتی پر مبنی تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ علّامہ افغانی کی عظمت اور حقیقت واشگاف ہو کر سامنے آ گئی اور ان کے سامنے یورپ کی ساری مادی طاقت لرزہ براندام ہو کر رہی۔

با سلاطیں در فتد مردِ فقیر۔ از شکوہِ بوریا لرزد سریر

علّامہ جمال الدین افغانیؒ کو قدرت نے متعدد خوبیوں کا ایک حسین مرقع بنا دیا تھا۔ وہ ایک شُعلہ نوا خطیب تھے۔ ایک آتش بیان صحافی اور ادیب تھے۔ ایک متوازن دل و دماغ کے مدبّر تھے۔ ایک عظیم انقلابی تھے۔

علّامہ افغانی قرآنِ حکیم کے ایک ممتاز مفسّر ہونے کے ساتھ ساتھ حدیث، فقہ، تاریخ، ریاضی، علمِ نجوم، ہیئت اور قدیم و جدید فلسفے کے ماہر تھے۔ ان کی شخصیت میں ایک سحر تھا۔ انہوں نے اپنے فیضِ صحبت میں رنگ کر مفتی محمد عبداللہ مصری اور زعیمِ مصر سعد زاغلول پاشا جیسے مدبّر عالموں کو پروان چڑھایا۔ اس کے بعد دنیائے اسلام میں جس قدر دینی اور سیاسی تحریکات سامنے آئیں، وہ بلاواسطہ یا بالواسطہ علّامہ افغانیؒ کی تعلیمات سے متاثر ہوئیں۔ وہ دنیائے اسلام میں بولی، لکھی اور پڑھی جانے والی زبانوں کے ماہر تھے۔ عربی اور فارسی کے صاحبِ اسلوب انشا پرداز ہونے میں ان کی شخصیت نمایاں تھی۔ وہ متعدد زبانوں میں بے تُکان گفتگو کر سکنے کے علاوہ حاضرین کو ایک ہی وقت میں مختلف زبانوں میں خطاب کرتے تھے۔ اللہ نے ان کو ایسا عزم اور حوصلہ بخشا تھا کہ اس کے باوجود کہ ان کو کم از کم پون درجن ملکوں سے خارج کیا گیا اور وہ جہاں پہنچے، یورپ کے تنگ نظروں کی سازشیں ان کے تعاقب میں رہتیں لیکن اس پر بھی انہوں نے آخر دم تک ہمّت نہ ہاری اور اپنے لئے جو سیدھا راستہ ایک بار منتخب کر لیا تھا، اس پر عزمِ بالجزم کے ساتھ ڈٹے اور جمے رہے۔

ان کو جن ملکوں سے خارج کیا گیا، ان میں ان کے آبائی وطن افغانستان کے علاوہ بھارت، ترکیہ، مصر، فرانس، روس اور ایران بھی شامل ہیں۔ ان کی غریب الوطنی کی مثال نادر اور نرالی ہے۔

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

تعزیرِ جُرمِ عشق ہے بے حرفہ محتسب!
بڑھتا ہے ذوقِ جُرم یہاں ہر سزا کے بعد

اگرچہ اسلام کے اس مردِ جلیل پر پے در پے کئی مصائب آئے لیکن وہ ہر حال میں غریب الوطنی کے باوصف صابر و شاکر رہا۔ بلکہ اس نے دنیائے اسلام میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک اپنے آتشیں خطبات سے آگ لگا دی۔

علامہ افغانیؒ نے ایران مین انقلاب برپا کرایا۔ مصر میں عظیم انقلابی اور اصلاحی تحریک پیدا کر دی۔ متحدہ برِّصغیر میں حیدر آباد دکن کے مقام پر عثمانیہ یونیورسٹی قائم کرائی۔ نیز ترکانِ احرار میں نئی زندگی کی رُوح پھونک دی۔ یوں سمجھئے کہ

یک چراغیست در بزم کہ از پرتوِ آں
ہر کجا رہی نگری، انجمنے ساختہ اند

مسلمان پوری دنیا میں اتحادِ باہمی کا سبق بھلا چکے تھے۔ علامہ افغانیؒ نے ان کو وہ بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔ آج مختلف اسلامی ممالک میں اسلامی اتحاد کی جو آواز گونج رہی ہے اور پاکستان میں بھی جس کا خیر مقدم کیا گیا ہے، وہ درحقیقت اسی ندائے حق کی صدائے بازگشت ہے جو علامہ افغانیؒ نے بلند کی تھی۔

گر گفتہ ای زعشق کسے حرفِ آشنا
آں ہم حکایت راست کہ از ما شنیدہ ای

علامہ افغانیؒ کی سیمابی فطرت میں ایک مسلسل اضطراب پایا جاتا تھا، وہ جس قدر بڑے عالم تھے۔ اس سے کہیں بڑے انقلابی تھے۔ اگر وہ عملی سیاست میں داخل نہ ہوتے تو علم و فن کی جس شاخ کو بھی ہاتھ میں لیتے، اسے تناور درخت بنا دیتے لیکن ان کے زمانے کے حالات نے ان کو محض ایک فلسفی نہ رہنے دیا بلکہ ایک عظیم انقلابی بنا دیا۔

ان کے اکثر عربی اور فارسی مضامین جو ان کے جاری کردہ رسالے العروۃ الوثقیٰ میں شائع ہوئے، وہ عام طور پر قلم برداشتہ لکھے جاتے تھے۔

وہ عموماً سفر میں رہتے اور اپنی مضمون نگاری اور انشاء پردازی کا کمال اسی حالت میں دکھاتے۔ ان کے مضامین اکثر مختصر، پُرجوش، مدلّل اور فصیح و بلیغ ہوتے تھے۔ وہ نہ صرف سیاست بلکہ تعلیم کے میدان میں بھی ایک انقلاب پیدا کر دینا چاہتے تھے۔

غالباً مشرق میں وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اسلامی رُوح کو برقرار رکھ کر جدید علوم و فنون کو اپنانے اور قدیم طرزِ تعلیم میں تبدیلی کی ضرورت کو شدّ و مَد سے دلائل کے ساتھ واضح کیا۔ وہ اپنے دَور کے علمائے دین کے جمود کے مخالف تھے۔ ترکیہ، مصر، ایران اور خود برِّصغیر میں بھی ان کو پُرانے ذہن کے مُلّاؤں کی مخالفت بلکہ فتویٰ بازی کا شکار ہونا پڑا لیکن وہ ہر جگہ مخالفین پر غالب آئے۔

ہزار دام سے نکلا ہُوں ایک جُنبش سے
جسے غرور ہو، آئے کرے شکار مجھے

علامہ افغانیؒ کے سینے میں انقلاب کا جو طوفان اُبل رہا تھا، اس کا اندازہ کسی حد تک ان کے پیغام سے لگایا جا سکتا ہے جو انہوں نے برِّصغیر سے برطانوی حکومت کے حکم سے ملک بدر ہونے پر اپنی روانگی کے وقت ہندوستان کے راہنماؤں اور عوام کو دیا تھا۔ وہ کہتے ہیں۔

"حق و صداقت کی عزّت اور عدل و انصاف کے تقاضوں کی قسم! غلام آباد ہند کے کروڑوں باشندو! اگر تم مکھیاں بن کر بھنبھنانے لگو تو اپنی آواز کے شور سے انگریز کو ہندوستان سے نکال سکتے ہو۔ اگر تم کچھوے بن جاؤ اور سمندر میں غوطہ لگا کر جزائر برطانیہ کو گھسیٹ کر خشکی پر لے آنا چاہو تو یہ بھی کوئی ان ہونی بات نہ ہو گی۔"

ان الفاظ میں جو بجلیاں بھری ہیں، ان کا اندازہ ہر صاحبِ دل، غیرت مند اور آزادی پسند انسان کر سکتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ آخر اہلِ یورپ علامہ افغانیؒ کو اپنے لئے اس قدر بڑا خطرہ کیوں سمجھتے تھے اور ان کو کسی ملک میں چند روز بھی اطمینان سے کیوں نہیں گزارنے دیتے تھے۔

نامور مجاہد اور عالمِ دین امیر شکیب ارسلان کے الفاظ میں علامہ افغانیؒ کی تعلیمات کا خلاصہ اگر اختصار سے بیان کیا جائے تو وہ کچھ اس طرح ہو گا۔

۱۔ عالمِ عیسائیت--- ملکی، قومی اور نسلی اختلافات کے باوجود--- مشرق کے بالعموم اور اسلام و اہلِ اسلام کا بالخصوص سخت دشمن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام عیسائی حکومتیں اسلامی ملکوں کو ہر ممکن طور پر پیس ڈالنے کے درپے رہتی ہیں۔

۲۔ صلیبی رُوح آج بھی عیسائیوں کے سینوں میں اُسی طرح پوشیدہ ہے جس طرح راکھ میں چنگاری پوشیدہ ہوتی ہے اور تعصّب کا جذبہ آج بھی ان کے دلوں میں اسی طرح زندہ و بیدار ہے، جس طرح صلیبی جنگوں

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

سے پہلے ان کے دلوں میں تھا۔ یہ تعصّب عیسائیت کے ترکیبی عناصر کا حصّہ بن چکا ہے اور اس کے رگ و پے میں جاری و ساری ہے۔ وہ ہمیشہ اسلام کی طرف دشمنی، حسد و بغض اور مذہبی تعصّب کی آنکھ سے دیکھتی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ جن جن معاملات میں اسلام نے عیسائیت کا ساتھ نہیں دیا، وہ ان میں اسلام کو سخت بدنام کرنے کی کوشش کرتی رہی ساتھ نہیں دیا، وہ ان میں اسلام کو سخت بدنام کرنے کی کوشش کرتی رہی ہے۔ یورپ کا لٹریچر اور اسلام کے خلاف پروپیگنڈا اس کی گواہی دے رہا ہے اور اس کے نتیجے میں تاریخِ اسلام کے بڑے بڑے واقعات پیش آئے ہیں۔

۳۔ اسلامی ممالک پر حملہ آور ہونے، انہیں ذلیل و رسوا کرنے اور مجبور کرنے کے لیے عیسائی دنیا ہر وقت بہانے تلاش کرتی رہتی ہے۔ اس سلسلے میں وہ اکثر اس فرسودہ ہتھیار کو استعمال کرتی ہے کہ

"ممالکِ اسلامیہ اس قدر انحطاط پذیر ہو چکے ہیں کہ خود اپنے معاملات کو سُلجھا نہیں سکتے، اس لیے ضروری ہے کہ ان پر قبضہ کیا جائے اور انہیں تہذیب و تمدّن کا درس دیا جائے"

حالانکہ یہی عیسائی ممالک عالمِ اسلامی کی ہر اُٹھنے والی اصلاحی آواز اور منظم ہونے والی ہر تحریک کا گلا گھونٹنے کے لیے خاک و خون کا کھیل کھیلنے، جنگ برپا کرنے اور اسلامی ممالک میں سول وار کرانے تک سے دریغ نہیں کرتے۔

۴۔ مذکورہ بالا حقائق کا لازم تقاضا ہے کہ عالمِ اسلام اپنا دفاع کرنے اور اپنی عزّت و شرف اور آزادی کو بچانے کے لئے متحد ہو جائے۔ اس اتحاد کی بنیادیں مضبوط اسلامی جذبات پر ہوں۔ صرف اسی صورت میں وہ اپنے آپ کو اور اپنی عزّت و غیرت کو فنا ہونے سے بچا سکتا ہے۔ اس مقصدِ عظیم کو حاصل کرنے کے لیے اہلِ اسلام پر لازم ہے کہ وہ اہلِ مغرب کی مادی ترقی اور علمی و فنّی فوقیّت کا کھوج لگائیں اور ہر وہ طریقہ اختیار کریں، جس سے بامِ عروج پر پہنچ سکیں۔

اسلام نے مسلمانوں کو یہی حکم دیا ہے کہ

وَاَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ

علّامہ افغانیؒ کا نام دنیائے اسلام میں جس چیز کے لیے سب سے زیادہ مشہور ہے وہ ان کی "تحریکِ اتحادِ اسلامی" (Pan Islamic Movement) ہے۔

؎ خدا رحمت کُند ایں عاشقانِ پاک طینت را

6040 - 130189

تشکرات

میں اس کتاب کی تیاری کے ضمن میں مندرجہ ذیل افراد کا خاص طور پر سے شکریہ ادا کرنا چاہوں گا۔

- اپنے عم زاد، جمشید برکی کا، جو کہ قبائلی علاقہ جات کے معتبر ماہر ہیں اور جن کے تعاون کے بغیر یہ کتاب لکھی نہیں جا سکتی تھی۔
- اپنے مدیر ابلیس وارم لیٹن کا، جن کی مدد کے بغیر یہ کتاب مکمل نہیں کی جا سکتی تھی۔
- سلوین کالج کیمبرج کے فیلو، کیمبرج یونیورسٹی کے اقبال فیلو اور مسلمان معاشروں بشمول پٹھانوں کے متعلق متعدد کتابوں کے مصنف پروفیسر اکبر ایس احمد کا مسودے سے متعلق مشوروں کا۔
- پرویز اے خان کا، اپنی شاندار فوٹوگرافس کے سلسلے میں۔
- فیوچی فلمز پاکستان کا جنہوں نے فوٹوگرافس کے لئے تمام فلمیں مہیا کیں۔
- وانا کے اسکاؤٹس کے کمانڈنگ آفیسر، کرنل رحم زاد خان کا، وزیرستان کے دورے کے انتظامات میں امداد کا۔
- کائی گورام کے برکیوں کا، ان کی مہمانداری اور شمالی وزیرستان میں محافظت مہیا کرنے کے سلسلے میں۔
- تمام پولیٹکل ایجنٹوں اور اسکاؤٹس آفیسرز کا جنہوں نے قبائلی علاقہ جات میں میری امداد کی۔
- اور جنگ پبلشرز کے انچارج مظفر محمد علی کا جنہوں نے اردو ورژن کی پروڈکشن میں بھرپور اعانت کی۔

عمران خان

www.facebook.com/PK322
www.freepdfpost.blogspot.com

For More books please like our Page

www.facebook.com/PK322

Download all Books Free

War History, Islamic History, Pashto Books, Punjabi Books, MCQs with Answers, Balochi Books, Sindhi Books, VIP History, Kids Books, Shaadi Books, Sex Guide Books, and etc

www.freepdfpost.blogspot.com